ماہنامہ محدث بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — **مولانا عبدالمتین مدنی**

عدد مسلسل: ۳۲۰

جلد: ۲۸ ، شمارہ: ۱۲

محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

دسمبر ۲۰۱۰ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپئے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپئے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱جی، ریوڑی تالاب

وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

Darut Taleef Wat Tarjama

B.18/1-G, Reori Talab,

Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالسلام مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ......	مولانا اسعد اعظمی	۶
۵-کیا ''خدا'' اللہ تعالی کا نام ہے؟	ظفر عدیل نورالحق	۱۰
۶-اسلام کی عالمگیری کے اسباب	مولانا آزاد رحمانی رحمہ اللہ	۱۸
۷-حقوق انسانی کا بین الاقوامی منشور..	مولانا ابوالقاسم فاروقی	۲۴
۸-آریہ قوم	مولانا محمد مستقیم سلفی	۳۲
۹-وہابی تحریک کی سرگرمیاں	صدیق احمد نفیس احمد	۳۶
۱۰-بدعت اور اس کے انتشار کے اسباب	سعید الرحمن عبدالمجید	۳۹
۱۱-اخبار جامعہ		۴۳
۱۲-عظیم سلفی عالم شیخ محمد بن جمیل زینو...	محمد ابوالقاسم فاروقی	۴۴
۱۳-عالم اسلام	ظل الرحمن سلفی	۴۵
۱۴-باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۶

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

وضوء کرنے کا طریقہ

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلاةِ فاغْسِلُواْ وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُواْ بِرُؤُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِن كُنتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُواْ وَإِن كُنتُم مَّرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاء أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لاَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُواْ مَاءً فَتَيَمَّمُواْ صَعِيْداً طَيِّباً فَامْسَحُواْ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيْكُم مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَـكِن يُرِيْدُ لِيُطَهَّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (سورہ مائدہ:۶)

اے مومنو! جب تم نماز کے لیے اٹھوتو اپنے چہرہ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھو، اور اگر تم جنبی ہو تو پاکی حاصل کرو (غسل کرو) اور اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت سے آئے یا عورتوں سے ملا ہو (اور اس کے بعد) پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو، اسی (مٹی) سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو، اللہ تم پر کسی طرح کی دقت نہیں ڈالنا چاہتا، بلکہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور اپنی نعمت سے بھرپور نوازے تاکہ تم شکرادا کرو۔

نماز کو اللہ تعالی نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے جس کو دن رات میں پانچ بار ادا کرنا ہے، اور اس نماز کی ادائیگی کے لیے طہارت اور پاکی حاصل کرنا ضروری ٹھہرایا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی محدث ہو جائے یعنی جس کا وضوء ٹوٹ جائے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوگی، یہاں تک کہ وہ وضو کرکے نماز پڑھے۔ (بخاری:۱۳۵، مسلم:۲۲۵)

اس آیت میں اللہ تعالی نے پاکی حاصل کرنے اور وضوء کرنے یا پانی نہ ملنے پر تیمّم کرنے کا حکم دیا ہے۔

وضوء کی پوری تفصیل صحابہ کرام نے اللہ کے رسول ﷺ سے سیکھا ہے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے غلام حمران بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانی منگایا اور اس سے وضوء بنایا (اور پوری کیفیت بیان فرمائی کہ) سب سے پہلے اپنی دونوں ہتھیلی کو تین مرتبہ دھلا، پھر کلی کی اور ناک جھاڑی، پھر تین مرتبہ اپنے چہرہ کو دھلا پھر اپنے داہنے ہاتھ کہنی تک تین مرتبہ دھلا پھر اسی طرح بائیں ہاتھ کو دھلا پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر اپنے داہنے پیر کو ٹخنہ تک تین مرتبہ دھلا پھر بائیں پیر کو بھی اسی طرح دھلا، پھر فرمایا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا ہے آپ نے ایسے ہی وضو کیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میرے وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے اور اس نماز میں اپنے نفس سے بات نہ کرے (یعنی وسوسہ سے بچے) تو اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

امام ابن شہاب کا بیان ہے کہ ہمارے علماء کہا کرتے ہیں کہ یہ مکمل ترین وضوء کی صورت ہے۔ (صحیح بخاری:۱۶۴ و صحیح مسلم:۲۲۶)

کان کو سر میں شمار کیا گیا ہے اس لیے اس کا مسح کرنا چاہئے۔ یہ وضوء کی مکمل ترین صورت ہے اور تین مرتبہ سے زائد دھلنے سے بچنا چاہئے

☆☆☆

درس حدیث: ۱۴۰

چندواجباتِ صلاۃ

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی / استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن عائشة، قالت: كان رسول الله ﷺ يستفتح الصلاة بالتكبير، والقراء ة: بالحمد لله رب العالمين، وكان إذا ركع لم يشخص رأسه ولم يصوبه ولكن بين ذلك، وكان إذا رفع رأسه من الركوع لم يسجد حتى يستوى قائما، وكان إذا رفع رأسه من السجدة لم يسجد حتى يستوى جالسا، وكان يقول في كل ركعتين: التحية، وكان يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى، وكان ينهى عن عقبة الشيطان، وينهى أن يفترش الرجل ذراعيه افتراش السبع، وكان يختم الصلاة بالتسليم. رواه مسلم. (مشكاة ج ١، ص ٧٥)

قال في المرعاة: وأخرجه أيضا أحمد، وأبوداود. (مرعاة ج ٣ ، ص ٩)

ترجمه: حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز تکبیر (تحریمہ) سے شروع کرتے تھے، اور قرأت سورہ فاتحہ سے (اور اس کے بعد دوسری سورت پڑھتے تھے) اور جب رکوع کرتے تو سر نہ اٹھائے اور نہ ہی زیادہ جھکائے بلکہ درمیان میں رکھتے تھے (یعنی پشت اور گردن برابر) اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بغیر سیدھے کھڑے ہوئے سجدہ نہیں کرتے تھے، اور جب پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے تو دوسرا سجدہ سیدھے بیٹھنے کے بعد ہی کرتے تھے، اور ہر دو رکعت کے بعد (بیٹھ کر، صرف) ''التحیات'' الخ.. پڑھتے تھے، اور (جلسہ میں) بایاں پیر بچھا دیتے اور داہنا کھڑا رکھتے تھے (ایڑی کھڑی اور انگلیاں زمین پر قبلہ رو مڑی ہوئی) اور عُقبہ شیطان سے منع فرماتے تھے (یعنی سرین اور دونوں ہاتھ زمین پر، اور دونوں پنڈلیاں کھڑی کرکے کتے کی طرح بیٹھنے سے) اور اس سے بھی منع فرماتے تھے کہ آدمی (سجدہ کرتے ہوئے) اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت درندے کے مثل پھیلائے، اور آپ ﷺ نماز (صرف) سلام پھیر کر ختم فرماتے تھے۔ (مسلم شریف)

تشریح: حدیث پاک سے چندواجبات صلاۃ معلوم ہوتے ہیں: (۱) تکبیر تحریمہ سے نماز کا آغاز کرنا۔ (۲) سورۂ فاتحہ کی قرأت کرنا (اور اس کے بعد دوسری سورت پڑھنا)۔ (۳) رکوع کرتے ہوئے سر اور پشت کو بالکل برابر رکھنا۔ (۴) رکوع سے سیدھے قیام کے بعد سجدہ کے لیے جھکنا۔ (۵) دونوں سجدوں کے درمیان بااطمینان بیٹھنا۔ (۶) دو رکعت کے بعد صرف ''التحیات'' الخ.. پڑھنا۔ (۷) جلسہ میں بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھنا اور داہنا پیر کھڑا رکھنا (یعنی بغیر تورک کے)۔ (۸) کتے کی طرح سرین اور ہاتھ زمین پر رکھ کر، پنڈلیاں کھڑی کرکے نہ بیٹھنا۔ (۹) سجدہ کرتے ہوئے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت زمین پر درندہ کی طرح نہ پھیلانا۔ (۱۰) صلاۃ کو صرف سلام پھیر کر ختم کرنا۔

حضرت عائشہ ؓ کی روایت میں ''تورک'' کرکے بیٹھنے کا ذکر نہیں ہے، ''تورک'' یہ ہے کہ بائیں پیر کو داہنی جانب نکال کر بیٹھنا ، مگر حضرت ابوحمید الساعدی ؓ کی روایت میں اس کا ذکر ہے: حتى إذا كانت السجدة التي فيها التسليم، ...... وقعد متوركا ......، رواه أبوداود والترمذي. وقال النووي: إسناده على شرط مسلم. وقال الحافظ: صححه ابن خزيمة وابن حبان، ...... (مرعاۃ ج۳، ص۶۹)

امام شافعی ؒ نے لفظ "حتى إذا ...... التي فيها التسليم" اور لفظ "إذا جلس في الركعة الآخرة" عند البخاري.
سے صلاۃ فجر اور جمعہ (یعنی ثنائی غیر رباعی) وغیرہ میں بھی تورک کے مسنون ہونے پر استدلال کیا ہے۔ (,, ,, ، ص۶۸)
رب العالمین! امت مسلمہ کو واجبات اور آداب صلاۃ کی پاسداری کے ساتھ نماز ادا کرنے کی توفیق عنایت فرما، آمین۔ ☆

افتتاحیہ:

اور ''عضباء'' پیچھے رہ گئی

خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد ﷺ کی عضباء نام کی ایک اونٹنی تھی جو بڑی تیز رفتار تھی، چلنے میں کسی کا اونٹ اس سے آگے نہیں بڑھ پاتا تھا، اور اس کے لیے اصحاب کرام میں وہ مشہور تھی، ایک بار ایک صحرائی اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور عضباء سے آگے بڑھ گیا، تو یہ چیز مسلمانوں کو ناگوار گذری اور رسول اللہ ﷺ نے اسے بھانپ لیا تو فرمایا: '' حق على الله أن لا يرتفع شئ من الدنيا إلا وضعه '' (بخاری) اللہ پر یہ واجب ہے کہ دنیا کی کوئی چیز بلند ہو تو وہ اسے پست کر دے۔

یہ اللہ کی سنت جاریہ ہے جسے اس نے اپنے لیے لازم اور ضروری ٹھہرا رکھا ہے، رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی عضباء بھی اس ضابطہ سے باہر نہیں، اور دنیا کی کوئی چیز، کوئی فرد اور کوئی قوم وملت بلندی و پستی کے اس قاعدہ سے مستثنی نہیں ہے، ایسے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے کسی توہین یا غصہ کا احساس واظہار کئے بغیر اپنے اصحاب کرام کی تربیت مذکورہ بالا عظیم الشان کلام کے ذریعہ فرمائی کہ اہل ایمان کو ہمیشہ اللہ کی قدرت اور حکمت کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور بلندی پر فخر وغرور میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی پست کو عاجز تصور کرنا چاہئے کہ اللہ ہی پست کو بلندی کی قوت عطا کرتا ہے۔

اسلام کی آواز پہلے پہل جب عرب میں گونجی تو کتنے غلام رسول کے صحابہ بن گئے اور ملکوں کے امام اور والی بھی، اور انھیں کی اولاد میں بڑے بڑے محدث اور شریعت کے علم بردار بھی پیدا ہوئے کہ عرب جن کی اقتداء کرنے لگے۔ اسلام میں سیادت وقیادت دراصل اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے جڑی ہوئی ہے یہ ایسا غیر مبدل قاعدہ ہے کہ اس پر ایک مسلمان کبھی اعتراض نہیں کر سکتا۔

موجودہ وقت میں مسلمانوں میں سماجی، سیاسی اور معاشی وغیرہ پہلوؤں سے بے حد انتشار ہے، یہ بات دیگر قوموں میں بھی کسی حد تک ہوسکتی ہے، مسلم سماج اسلامی اتحاد سے بیگانہ ہو رہا ہے، ذات برادری، مختلف اماموں اور مشائخ کی اندھی تقلید، طرح طرح کی سیاسی پارٹیوں اور ان کے قائدین سے جانی و مالی وابستگی ہر پہلو سے مسلم سماج کے تانے بانے بکھیر رہی ہے اور بلندی و پستی کے معیار کی تبدیلی کا عمل ہر آن جاری ہے، باہمی تنافس ومقابلہ آرائی، حسد اور بغض اپنے کو بلند اور دوسرے کو نیچا ثابت کرنے کے لیے ہر معیار سے سرد اور گرم دونوں طرح کی جنگیں جاری ہیں، حق تو یہ تھا کہ تبدیلی کے اس عمل میں اصل دین کتاب وسنت کے سنہرے احکام کی پاسداری کی جاتی، اور رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ بالا عظیم الہی ضابطہ کو تسلیم کر کے صبر ورضا کا دامن تھاما جاتا، اس لیے کہ ایسا نہ کرنے میں خرابیوں اور شر وفساد کا ایک نا ختم ہونے والا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے، جس کا مظہر پوری مسلم قوم بنی ہوئی ہے کہ اندرونی انتشار وخلفشار اور بیرونی ودوں ہمتی کے سبب انحطاط وادبار کے منحوس سایے اس کا ساتھ نہیں چھوڑتے اور وہ پستی وذلت کے دلدل میں دھنستی چلی جا رہی ہے۔

اسی کے بالمقابل ہزاروں برس کی دبی کچلی، انسانی حقوق سے محروم، پستی وذلت کی عادی اقوام میں حریت وعزیمت اور حصول حقوق کی جدوجہد کے طبعی جذبات نے سراٹھارے اور وہ سست رفتاری سے ہی سہی بلندی کی جانب بڑھ رہی ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی ایک نہایت قیمتی حدیث روایت کی ہے کہ: " ان الله يرفع بهذا الكتاب أقواما ويرفع به آخرين '' (مسلم) یعنی اللہ تعالیٰ اس کتاب قرآن مجید کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو بلندی عطا کرے گا اور اسی کتاب کے ذریعہ دوسروں کو پست کردے گا'' اسلام کا سنہرا دور اسی کتاب قرآن کا دور ہے، جب لوگ اس کی سنہری تعلیمات کو مانتے تھے، بے شمار قومیں قرآن کے ٹھنڈے سایے میں آئیں اور سربلندی کے زینے طے کئے، لیکن اب جب کہ بے شمار مسلم قومیں قرآن کے سنہرے احکام سے غفلت برتنے لگیں تو ذلت واد بار کی نحوست میں گرفتار ہوگئیں۔

اس پستی کے یہ ہرگز معنی نہیں کہ اب سربلندی نصیب نہیں، بلکہ مسلم اقوام جب ترقی اور حریت صالحہ اور اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے جدوجہد کریں گی، اپنی متحدہ اسلامی قومیت واتحاد کو اپنائیں گی، قرآنی احکام کا بھولا ہوا سبق دہرائیں گی، انھیں عمل میں لائیں گی تو مسلم ملت کو اللہ تعالیٰ پھر سربلندی عطا کرے گا۔

آج دنیا میں حریت کے نام پر بہت سی قومیں سربلند ہوئی ہیں لیکن یہ آزادی اب بے قید اور بہائم ووحوش کی آزادی کے رنگ میں رنگتی جارہی ہے، حقوق انسانی کی طلب وجستجو اور انتھک جدوجہد نے بہت سی اقوام کو سربلند کیا ہے لیکن حقوق انسانی کی بہت سی شقیں اور ان کی طلب کے بے شمار وسائل وحشیانہ جرائم کی شکل اختیار کررہے ہیں، پستی انھیں بھی گھیرے گی اور کوئی حریت صالحہ اور صالح حقوق انسانی کی علم بردار قوم ان کے بالمقابل ضرور بلندی کے مطلع پر نمودار ہوگی اور خاندان انسانیت کو خوشگوار تبدیلی اور امن عامہ سے سرفراز کرے گی، لیکن یادرہے کہ تبدیلی کے اعمال عموماً صدیوں پر محیط ہوتے ہیں خواہ یہ تبدیلی بلندی کی سمت میں ہو یا پستی کی جانب، سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: ﴿ إن الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم ﴾ (الرعد:۱۱) ''کسی قوم کی حالت اللہ نہیں بدلتا جب تک وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے'' یعنی جب تک کوئی قوم اللہ کے احکام سے اعراض کرکے اپنے اخلاق وعادات اور حالات کو بدل نہیں لیتی اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں اس سے نہیں روکتا، گویا اللہ کی نافرمانی سے اس کی نعمتیں چھن جاتی ہیں اور فرماں برداری سے نعمتوں کے دروازے کھلتے ہیں، عطاو سلب اور بلندی وپستی کی یہ سنت الٰہیہ قیامت تک جاری رہے گی۔

☆☆☆

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ

طلبہ کے لیے انعامات

مولانا اسعد اعظمی/استاذ جامعہ سلفیہ

طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لیے پوزیشن لانے والے اور محنتی طلبہ کو، اسی طرح تقریری مقابلے میں اولیت حاصل کرنے والے طلبہ کو انعامات سے نوازا جاتا تھا، فراغت کی سال والے طلبہ کو بھی خصوصی انعامات دیے جاتے تھے، یہ انعامات نقد کی شکل میں بھی ہوتے تھے اور کتاب، قلم، گھڑی، مڈل وغیرہ کی شکل میں بھی، بیشتر انعامات مہتمم مدرسہ کی جانب سے ہی ہوتے، کچھ دوسرے علم دوست بھی اس میں حصہ لیتے تھے۔

دارالحدیث رحمانیہ سے شائع ہونے والے ماہوار رسالہ محدث کے اپریل ۱۹۴۷ء کے شمارے میں اس سال کے ششماہی امتحان اور اس میں کامیاب طلبہ کو دیے جانے والے انعامات کی خبر اس طرح شائع ہوئی ہے:

’’دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا ششماہی امتحان بھی بحمداللہ خیر وخوبی کے ساتھ ختم ہوگیا۔ حسب دستور طلبہ کو امتحان کی تیاری کے لیے ایک ہفتہ کا موقع دیا گیا، اور پھر از یکم تا ۳/ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ امتحان ہوتا رہا۔ امتحان کے بعد دو روز مدرسہ میں تعطیل رہی، نتیجہ بحمداللہ اچھا ہے۔ جماعت میں اول آنے والے ہر طالب علم کو مہتمم صاحب کی طرف سے دو دو روپے نقد بطور انعام دیے گئے۔ (منیجر)‘‘ [1]

رسالہ محدث کے جنوری ۱۹۴۷ء کے شمارے میں مدرسہ کے سہ ماہی امتحان اور تعطیل وغیرہ کی خبر شائع ہوئی ہے جس کے آخر میں ہے کہ:

’’…..نتیجہ مجموعی حیثیت سے بفضلہ تعالیٰ حوصلہ افزا ہے۔ جماعت میں اول آنے والے ہر طالب علم کو جناب مہتمم صاحب مدظلہ العالی کی طرف سے دو دو روپے نقد انعام دیے گئے۔ فبارک اللہ فیہ وأحسن إلیہ۔‘‘ [2]

مولانا عبدالرحمٰن نحوی (استاد مدرسہ فیض عام مئو) کے سوانح نگار نے لکھا ہے:

’’ان کے باقیات صالحات میں مختلف علوم کی بے شمار کتابیں اور ان میں ہمہ تن استغراق میدان علم اور سلامت ذوق کا ثبوت ہیں، ورثہ دینی اور خزانہ علمی کے طور پر آج بھی محفوظ ہیں جن میں علامہ سیالکوٹی کی تصنیفات روحانی کشش ثقل بتاتی ہیں، توضیح بخاری کی جلدیں مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے قدر جوہر شناس کی علامت ہیں جو فراغت کی تقریب اور ہم درسوں میں اولیت کے اعتراف میں بطور انعام ملی تھیں جس پر فراغت ۱۵/ شعبان ۱۳۴۱ھ درج ہے۔‘‘ [3]

---

[1] رسالہ محدث دہلی، اپریل ۱۹۴۷ء جمادی الأولی ۱۳۶۶ھ ص:۲۳ [2] رسالہ محدث، دہلی، جنوری ۱۹۴۷ء، صفر ۱۳۶۶ھ ص:۱۱

[3] مجلّہ آثار جدید مئو: دسمبر ۲۰۰۴ء ص:۲۴

مولانا حکیم محمد بشیر مبارکپوری رحمانی کے بارے میں مولانا نوشہروی نے لکھا ہے:

''۷/شعبان ۱۳۴۵ھ کو مدرسہ (رحمانیہ) سے علاوہ جبہ و دستار اور نقدی انعام کے سند تکمیل عنایت فرمائی گئی اور شیخ الحدیث نے اپنا اجازہ مرحمت فرمایا۔'' [۴]

مولانا نذیر احمد صاحب املوی کے بارے میں نوشہروی صاحب نے لکھا ہے:

''ہر امتحان میں اول رہے اور سال آخر میں تمام مدرسہ میں اولیت واولویت کی وجہ سے انعام میں صحیح بخاری اور ۴۰/روپیہ نقد انعام سے سرفراز ہوئے۔ یہ تکمیل ۱۵/شعبان ۱۳۴۶ھ کو ہوئی۔'' [۵]

مولانا آزاد رحمانی نے اس کے علاوہ ایک جیبی گھڑی کا بھی تذکرہ کیا ہے (ملاحظہ ہو اہل حدیث اور سیاست، مقدمہ، ص:۱۳)

شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی علیہ الرحمۃ کے چھوٹے بھائی مولانا عبیدالرحمٰن بھی رحمانیہ سے فارغ تھے اور فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے تھے، ان کے بارے میں مولانا نوشہروی لکھتے ہیں:

''دارالحدیث رحمانیہ کے امتحان حدیث میں اول آئے اور مندرجہ ذیل انعامات حاصل کیے (۱۳۵٦ھ میں):
یعنی تیئیس (۲۳) روپیہ، ایک گھڑی، ایک نجدی چغہ، ایک سنہری عقال''۔ [٦]

مولانا عبدالحلیم ناظم رحمانی جو رحمانیہ کے فارغ اور پھر وہاں کے مدرس تھے اور رسالہ محدث کے اول مدیر تھے ان کے بارے میں ان کے تذکرہ نگار نے لکھا ہے کہ:

''......آٹھویں جماعت میں پورے مدرسہ میں اول آئے اس لیے انعام میں آپ کو ایک چاندی کا مڈل اور عمدہ گھڑی دی گئی۔ یہ مڈل یا تمغہ مرحوم عبدالستار میونسپل کمشنر کی طرف سے ہر اس خوش نصیب طالب علم کو دیا جاتا تھا جو آٹھویں جماعت میں درجہ اول میں پاس ہوتا تھا۔ الحاصل مرحوم ۱۹۳۱ء میں تحصیل علم سے فارغ ہو گئے، عمر اکیس (۲۱) سال تھی...'' [۷]

مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی نے اپنی فراغت کے سال کے آخری جلسہ (تقسیم اسناد و مقابلہ خطابت) کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

''اس سال کا سارا انعام مجھے ملا تھا، گھڑی بھی ملی تھی، جب میں جبہ وغیرہ پہن کر آیا....'' [۸]

ایک دوسرے مقام پر موصوف لکھتے ہیں:

''ہمارے مدرسہ رحمانیہ میں طلبہ کو نقدی انعام دینے کا بھی دستور تھا۔ امتحان کا نتیجہ سنایا جاتا اور نقد روپیہ، گھڑی اور جبہ ودستار کا انعام دیا جاتا تھا۔ ہم بھی اپنے زمانے میں جماعت میں اول آتے رہے اور انعامات سے نوازے گئے۔

اس دن میں شیخ عطاء الرحمٰن صاحب کی دعوت پر دلی کے تمام مدارس عربیہ کے علماء حتی کہ جامعہ ملیہ عربیہ دہلی کے

---

[۴] تراجم علمائے حدیث ہند، ص:۴۱۰-۴۱۱
[۵] تراجم علمائے حدیث ہند، ص:۴۱۲
[٦] تراجم علمائے حدیث ہند، ص:۴۰۹
[۷] محدث بنارس، جولائی ۱۹۹۳ء ص:۱۴-۱۵
[۸] ماہنامہ السراج، نیپال، خطیب الاسلام نمبر، ص:۴٦۲-۴٦۳

بڑے بڑے عربی ٹیچر خواجہ اسلم صاحب جے راج پوری، خواجہ عبدالحیٔ صاب فاروقی، محترم ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شیخ الجامعہ جو بعد کو ہندوستان کے صدر جمہوریہ کے منصب پر فائز ہوئے وہ بھی تشریف لائے تھے۔

میاں صاحب اس دن بڑی شاندار و پر تکلف دعوت کرتے تھے، تمام مدارس عربیہ کے مہمانوں کو اور طلبہ و اساتذہ کو بہترین و پر تکلف کھانا کھلاتے تھے۔'' ۹

مولانا عبدالغفار حسن رحمانی بیان کرتے ہیں:

''شیخ عبدالرحمٰن اور ان کے بھائی عطاء الرحمٰن مل کر مدرسہ رحمانیہ کے تمام اخراجات اور مصاریف بڑی فیاضی اور سخاوت کے ساتھ پورے کرتے تھے، طلبہ میں حفظ قرآن، حدیث، تفسیر اور کتابت کا شوق و جذبہ ابھارنے کے لیے مقابلوں کا خاص اہتمام فرماتے اور نمایاں کارکردگی دکھانے والے طلبہ کو اپنی جیب خاص سے خصوصی انعامات دیتے اور جو طالب علم پورے مدرسہ میں فرسٹ آتا اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بہت زیادہ انعام و اکرام سے نوازا جاتا۔ ایک دفعہ میں فرسٹ آیا تو انہوں نے مجھے فن نحو کی مشہور کتاب ''ہدایۃ النحو'' انعام میں دی، جس کی قیمت اس وقت ایک روپے سے بھی کم تھی، لیکن جو لڑکا سکنڈ آیا اسے پانچ روپے انعام میں دیے گئے، جب ہمارے ساتھیوں میں سے کسی نے ان کی توجہ اس طرف دلائی تو انہوں نے فوراً اپنی غلطی کا اقرار کرتے ہوئے مجھے بھی پانچ روپے اور ساتھ میں کتاب بھی دی۔'' ۱۰

مذکورہ بالا بیانات کے بعد مدرسہ سے متعلق کچھ اور خبریں ملاحظہ ہوں جن سے اس موضوع پر مزید روشنی پڑتی ہے:

اخبار محمدی، دہلی اپنے ایک شمارے میں مدرسہ کی خبروں کے ضمن میں لکھتا ہے:

''نتیجہ امتحان: دارالحدیث رحمانیہ کا نتیجہ امتحان سالانہ ۱۷/ شعبان کو سنایا گیا، اس سال ۶۵ /لڑکے امتحان میں شریک ہوئے جن میں سے اکثر کامیاب ہوئے...''۔

ممتحن صاحب نے رپورٹ پیش کرتے ہوئے فرمایا:

الحمدللہ اس سال کا نتیجہ امتحان سال ماسبق سے بہت ہی اچھا رہا، تقریباً دو تہائی لڑکے کامیاب ہوئے، بعض جماعتوں میں ایک لڑکا بھی فیل نہیں ہوا، آٹھویں جماعت (آخری درجہ) کے چھ امیدوار تھے جن میں سے پانچ امیدوار کامیاب ہوئے، مدرسہ کی طرف سے ان کی دستار بندی کرائی گئی، ایک لڑکا اعلیٰ نمبروں سے پاس ہو کر مدرسہ میں اول درجہ حاصل کیا، مدرسہ کی طرف سے اس کو تیس روپے اور ایک کتاب اور ایک میڈل (تمغہ) انعام میں دیا گیا، اسی طرح باقی جماعتوں میں کئی لڑکے قابل انعام تھے جن کو انعام دیا گیا.....

اس سال مدرسہ میں ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ آٹھویں جماعت کا ایک نابینا طالب علم جن کا نام عطاء الرحمٰن ہے اور ہوشیار پور کے رہنے والے ہیں اپنی جماعت میں اول نمبر سے پاس ہوئے اور حدیث و تفسیر میں بھی اول درجہ حاصل کیا، مدرسہ کی طرف سے ان کو بھی مبلغ ۲۵ /روپے اور ایک میڈل انعام میں دیا گیا، نماز میں با جماعت حاضر رہنے والے طلبہ کو ۱۰، ۱۰/

۹ ماہنامہ محدث، بنارس، اگست ۱۹۹۲ء ص: ۱۷

۱۰ ماہنامہ صراط مستقیم، برمنگھم، نومبر، دسمبر ۱۹۹۸ء ص: ۱۴

روپئے انعام میں دیا گیا...'' [۱۱]

اخبار محمدی کے ایک دوسرے شمارے میں ہے:

دارالحدیث رحمانیہ میں تقریروں پر انعام:

۱۰/ ماہ رواں کو مدرسے کے طلبہ کی تقریریں زیر صدارت جناب مولانا نواب ضمیر مرزا صاحب رئیس لوہارو ہوئیں، عربی کی تقریر میں پانچ طالب علم تھے، مضمون سب کا ایک ہی ''نتائج بعثت تھا'' ان میں مولوی حاکم علی کا نمبر اول آیا، جنہیں چاندی کا قلم دان مع چاندی کے قلم دوات کے مہتمم صاحب کی طرف سے انعام میں دیا گیا، نمبر دوم پر مولوی عبدالجلیل صاحب آئے جنہیں دس روپئے نقد انعام دیا گیا، نمبر سوم پر مولوی عبدالغفار صاحب آئے جنہیں ایک قیمتی فونٹن پین سونے کی نب کا انعام میں ملا، باقی دو طالب علموں کو فونٹن پین مع پنسل کے دیا گیا۔

اردو میں سب سے اول نمبر مولوی لطیف الدین صاحب کا آیا ان کو چاندی کا قلم اور ایک فونٹن پین سونے کی نب کا انعام میں دیا گیا، دوسرے نمبر پر مولوی برکت اللہ رہے انہیں ایک فونٹن پین قیمتی اور پنسل انعام میں ملی، باقی کے اور مقررین کو بھی فونٹن پین دیئے گئے.....'' [۱۲]

مولانا محمد صاحب جونا گڈھی اپنے اخبار میں شیخ عطاء الرحمٰن کے انتقال کے بعد مدرسہ کا انتظام وانصرام سنبھالنے والے ان کے صاحبزادے شیخ عبدالوہاب کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''....ششماہی امتحان کے نتیجہ سے خوش ہوکر اپنے والد ماجد صاحب مرحوم سے دگنے سے بھی زیادہ بڑھا چڑھا انعام اول آنے والوں کو دیا، اور بتاریخ ۲۹/ بدھ کے دن انہیں سیر کرانے کے لیے قطب پہنچنے کی بشارت بھی سنادی۔'' [۱۳]

مولانا جونا گڈھی ایک شمارے میں مدرسہ کی خبروں کے ضمن میں لکھتے ہیں:

نتیجہ امتحان مدرسہ رحمانیہ دہلی:

''بحمد اللہ موجودہ مہتمم صاحب کی دلچسپی اور نگرانی کا پھل امسال یہ ملا کہ پورے مدرسہ میں صرف تین لڑکے فیل ہوئے، باقی سب پاس ہوئے، تین طلبہ کو سندیں ملیں، مع نجدی چوغے اور عربی عقال کے، ایک نجدی طالب علم کو دورہ کی سند ملی اور ساٹھ روپے خرچ کے۔ ہر جماعت میں اول آنے والوں اور خوشنویسی میں آگے رہنے والوں، حدیث وقرآن میں اول آنے والوں، نمازوں میں باقاعدہ حاضر رہنے والوں وغیرہ سب کو فیاض دل مہتمم صاحب نے حسب عادت انعام سے مالا مال کیا۔ بنوٹ کے کھلاڑیوں کو اور اچھی تقریریں کرنے والوں کو بھی انعامات سے ممتاز فرمایا۔ ۲/ اکتوبر کو یہ عام جلسہ مدرسہ کے عظیم الشان ہال میں ہوا، دہلی کے مولوی صاحبان، رؤسائے کرام حنفی اہلحدیث سب موجود تھے۔ بعد از اختتام جلسہ سب نے یہیں طعام نوش فرمایا۔'' [۱۴]

☆☆☆

---

[۱۱] اخبار محمدی، دہلی: یکم مارچ ۱۹۳۰ء ص:۱۳
[۱۲] اخبار محمدی، دہلی: ۱۵/ اگست ۱۹۳۳ء ص:۵
[۱۳] ایضا: یکم جولائی ۱۹۳۸ء ص:۱۲
[۱۴] ایضا، دہلی: ۱۵/ اکتوبر ۱۹۳۸ء ص:۱۴-۱۵

کیا ’’خدا‘‘ اللہ تعالیٰ کا نام ہے؟

ظفر عدیل نورالحق
تبوک، سعودی عرب

علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں، یعنی وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بتانے سے معلوم ہوں گے، ہم اپنی عقل سے ان کا ادراک نہیں کر سکتے، لہذا جو نام قرآن وحدیث میں نہ آئے ہوں، ان کو اختیار کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو یہ اختیار نہیں دیا ہے کہ وہ اپنی سمجھ سے اس کا جو نام رکھنا چاہے رکھے، یہ خالص اللہ کا حق ہے۔ اپنی طرف سے اللہ کا نام رکھنا، اللہ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہے، بلکہ یہ الحاد میں داخل ہے جس پر اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت ضرور سزا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولله الأسماء الحسنى فادعوه بها وذروا الذين يلحدون فى أسمآئه سيجزون ما كانوا يعملون﴾ [الأعراف:۱۸۰] ’’اور اللہ ہی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں، لہذا تم اسے ان (ناموں) سے پکارو، اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں، وہ جو کچھ کر رہے ہیں، جلد اس کی سزا پائیں گے۔‘‘

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ’’الحاد کے معنی ہیں کسی ایک طرف مائل ہونا، اسی سے لحد ہے جو اس قبر کو کہا جاتا ہے جو ایک طرف بنائی جاتی ہے۔ دین میں الحاد اختیار کرنے کا مطلب کج روی اور گمراہی اختیار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد (کج روی) کی تین صورتیں ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کے ناموں میں تبدیلی کر دی جائے جیسے مشرکین نے کیا۔ مثلاً اللہ کے ذاتی نام سے اپنے ایک بت کا نام لات اور اس کے صفاتی نام عزیز سے عُزّیٰ بنالیا۔ (۲) یا اللہ کے ناموں میں اپنی طرف سے اضافے کر لینا، جس کا حکم اللہ نے نہیں دیا۔ (۳) یا اس کے ناموں میں کمی کر دی جائے مثلاً اسے کسی ایک ہی مخصوص نام سے پکارا جائے اور دوسرے صفاتی ناموں سے پکارنے کو برا سمجھا جائے۔‘‘ [قرآن کریم مع اردو ترجمہ وتفسیر ص:۴۶۹، طبع مجمع ملک فہد]

اور امام بغوی لکھتے ہیں: ’’اہل معانی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد یہ ہے کہ اللہ کا وہ نام رکھا جائے جو اس نے نہیں رکھا ہے اور نہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول میں اس کا بیان آیا ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں، اس کا نام جواد تو ہے مگر اس کا نام سخی نہیں رکھا جائے گا گرچہ وہ جواد کے معنی میں ہے، اور اس کا نام رحیم تو ہے مگر رفیق نہیں، اس کا نام عالم تو ہے مگر عاقل نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ يخادعون الله وهو خادعهم﴾ [النساء:۱۴۲] ’’وہ منافقین اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے،‘‘ اور اس کا ارشاد ہے: ﴿ومكروا ومكر الله﴾ [آل عمران:۵۴] اور انہوں نے تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی‘‘ مگر دعاء کرتے ہوئے اللہ کو ’’یا مخادع، یا مکار‘‘ کہہ کر نہیں پکارا جائے گا، بلکہ اس کو اسی نام سے پکارا جائے گا جو تعظیم کے طور پر توقیفی نام وارد ہیں۔ یعنی کہا جائے گا: یا اللہ، یا رحمٰن، یا رحیم، یا عزیز، یا کریم وغیرہ‘‘ [معالم التنزیل للامام البغوی تفسیر سورۃ الأعراف آیت:۱۸۰]

اور امام قرطبی لکھتے ہیں: ’’الحاد کی تین صورتیں ہیں: (۱) یہ کہ اللہ کے ناموں میں تبدیلی کر دی جائے جیسے مشرکوں نے کیا

کہ اللہ کے نام پر اپنے بتوں کا نام رکھ دیا۔ اللہ سے بت کا نام ''لات'' رکھا اور العزیز سے ''عُز یٰ'' اور المنان سے ''مناۃ'' یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام قتادہ نے کہی ہے۔ (۲) یہ کہ اللہ کے ناموں میں اضافہ کیا جائے۔ (۳) یہ کہ ان میں کمی کی جائے جیسے جاہل لوگ کرتے ہیں، کہ اپنی طرف سے دعائیں ایجاد کر کے اللہ تعالیٰ کو خود ساختہ ناموں سے پکارتے ہیں، اور اللہ کے جو کام ہیں ان کے علاوہ کاموں کا ذکر کرتے ہیں اور دوسرے غیر لائق کام کرتے ہیں۔ ابن عربی کہتے ہیں: ان سے دور رہو اور تم میں سے کوئی ہرگز دعاء نہ کرے مگر انہیں ناموں سے جو کتاب اللہ اور بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی میں آئے ہیں، یہ وہ کتابیں ہیں جن پر اسلام قائم ہے، اور موطا بھی ان میں داخل ہے کیونکہ وہ دیگر تصانیف کی اصل ہے۔ [تفسیر قرطبی، سورۃ الأعراف، آیت: ۱۸۰]

اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ نام رکھا جائے جو اس نے اپنا نام نہیں رکھا جیسے نصاریٰ اللہ تعالیٰ کا نام الأب (باپ) رکھتے ہیں اور فلاسفہ اسے علتِ فاعلہ کہتے ہیں۔ یہ الحاد ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کا اپنی طرف سے نام رکھنا، اس کے ناموں کو واجبی حقوق سے پھیر دینا ہے۔'' اور پھر دوسرے صفحہ پر لکھتے ہیں: ''الحاد اپنی تمام قسموں کے ساتھ حرام ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ملحدین کو دھمکی دی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وذروا الذين يلحدون فى أسمائه سيجزون ما كانوا يعملون﴾ [الأعراف: ۱۸۰] اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں، وہ جو کچھ کر رہے ہیں، جلد اس کی سزا پائیں گے۔'' اور شرعی دلائل کی روشنی میں بعض الحاد شرک یا کفر ہوتے ہیں۔ [القواعد المثلى فى صفات الله وأسمائه الحسنىٰ ص: ۲۱، ۲۲]۔

امام شوکانی اور دکتور محمد سلیمان الأشقر نے بھی یہی بات کہی ہے کہ اللہ کے ناموں میں الحاد تین طریقے سے ہوتا ہے، اس میں تبدیلی کر کے یا اس میں اضافہ کر کے یا اس میں کمی کر کے۔ [تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر فتح القدیر للشوکانی وزبدۃ التفسیر للأشقر سورۃ الأعراف، آیت: ۱۸۰]

مذکورہ تمام مفسرین نے اللہ کے ناموں میں اضافہ کرنے کو الحاد کہا ہے۔ اور بلاشبہ لفظِ خدا اللہ کے ناموں میں اضافہ ہے۔ ایسا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے سزا دینے کی دھمکی دی ہے اور ہمیں ایسے لوگوں سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ولله الأسماء الحسنى فادعوه بها وذروا الذين يلحدون فى أسمائه سيجزون ما كانوا يعملون﴾

[الأعراف: ۱۸۰] ''اور اللہ ہی کے لیے اچھے اچھے نام ہیں، لہذا تم اسے ان (ناموں) سے پکارو اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جو اس کے ناموں میں الحاد (کج روی اختیار) کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں، جلد اس کی سزا پائیں گے۔''

سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ نے عقیدہ طحاویہ میں وارد لفظِ ''قدیم'' کے تعلق سے لکھا ہے کہ یہ لفظ اللہ کے اسمائے حسنی میں نہیں آیا ہے جیسا کہ شارح رحمہ اللہ وغیرہ نے اس پر تنبیہ کی ہے، صرف بکثرت علمائے کرام نے اللہ کے وجود کو ہر چیز سے پہلے ثابت کرنے کے لیے اسے ذکر کیا ہے۔ اللہ کے نام توقیفی ہیں، اللہ کی کتاب اور نبی ﷺ کی حدیث کے بغیر اللہ کا کوئی نام ثابت کرنا جائز نہیں ہے، سلف صالحین میں ائمہ کرام نے یہ بات لکھی ہے۔ [تعلیق علی العقیدۃ الطحاویۃ للشیخ ابن باز رحمہ اللہ ص: ۸، طبعۃ دار القاسم]

اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں، عقل کا اس میں دخل نہیں ہے۔ لہذا کتاب وسنت میں جو نام آئے ہیں صرف انہیں اختیار کیا جائے، ان میں زیادتی یا کمی نہ کی جائے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ جن ناموں کا مستحق ہے، عقل کے لئے ان کا ادراک ممکن نہیں ہے۔ لہذا اس بارے میں نص (کتاب وسنت) پر رک جانا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولا تقف ما ليس لك به علم إن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسؤولا﴾ [الاسراء:۳۶] ''اور جس بات کا آپ کو علم ہی نہیں اس کے پیچھے نہ لگیں، بے شک کان آنکھ اور دل، ان میں سے ہر ایک کی بابت سوال کیا جائے گا'' نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿قل إنما حرم ربى الفواحش ما ظهر منها وما بطن والإثم والبغى بغير الحق وأن تشركوا بالله ما لم ينزل به سلطانا وأن تقولوا على الله ما لا تعلمون﴾ [الأعراف:۳۳] ''کہہ دیجئے بے شک میرے رب نے بے حیائی کی باتوں کو حرام ٹھہرایا ہے، چاہے وہ ظاہر ہوں یا چھپی ہوئی، اور گناہ کو اور ناحق ظلم کو بھی، اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم اللہ کے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری، اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم اللہ کے متعلق وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے۔''

کتاب وسنت میں وارد اللہ کے ناموں پر توقف کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا جو نام نہیں رکھا، اس کا وہ نام رکھنا یا اللہ کے اپنے رکھے ہوئے ناموں کا انکار کرنا، اللہ تعالیٰ کے حق میں زیادتی ہے، لہذا اس بارے میں ادب اختیار کرنا اور جن ناموں کا نص (کتاب وسنت) میں ذکر ہے انہیں پر اکتفاء کرنا واجب ہے۔'' [القواعد المثلی فی صفات اللہ وأسماءہ الحسنی، ص:۱۷]

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا خدا نام رکھنا اس بات کے پیچھے لگنا ہے جس کا اللہ نے ہمیں علم نہیں دیا ہے، نیز ایسا کرنا اللہ پر بغیر علم کے بولنا ہے اور یہ کبیرہ گناہ ہے۔

علمائے اسلام کے مدلل کلام سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں، ہم یا کوئی قوم اپنی مرضی سے اللہ کا کوئی نام نہیں رکھ سکتی۔ جب ہم خود لوگوں کو اس کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ ہمیں جس نام سے چاہیں پکاریں تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی اجازت دینے کا ہمیں کیا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان تو بڑی اعلیٰ وارفع ہے، اسے خود ساختہ ناموں سے پکارنا جائز نہیں ہے۔

اور جو قرآن کریم کی آیت ہے: ﴿قل ادعوا الله أو ادعوا الرحمٰن أيًّا ما تدعوا فله الأسماء الحسنى﴾ [الاسراء:۱۱۰] ''کہہ دیجئے (اللہ کو) اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، تم جس نام سے بھی پکارو، اسی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں۔'' اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور الرحمٰن ان دونوں میں سے جس نام سے بھی پکارو، اللہ کے بہت سے اچھے نام ہیں ان کے ذریعہ اللہ کو پکارا جا سکتا ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ خود اپنی طرف سے اللہ کا نام رکھ کر اس کو پکارو۔

اس آیت کی تفسیر میں امام بغوی لکھتے ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک رات مکہ میں رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا اور رو پڑے، آپ ﷺ سجدہ میں کہہ رہے تھے یا اللہ یا رحمٰن۔ یہ سن کر ابوجہل نے کہا: محمد (ﷺ) ہم کو ہمارے معبودوں سے روکتے ہیں اور خود دو معبود کو پکارتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ اس کا معنی یہ ہے کہ دونوں نام ایک ہی ذات کے ہیں۔ ''أيا ما تدعوا'' میں ''ما'' صلہ ہے، جس کا معنی ہے ان دو ناموں میں سے اور اس کے تمام ناموں میں سے جس نام سے بھی

پکارو، اسی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں۔[تفسیر معالم التنزیل للامام البغوی تفسیر الآیۃ المذکورۃ]

اور حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کہتا ہے: اے محمد ان مشرکین سے کہہ دیجئے جو اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ رحمت کا انکار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو الرحمٰن کہنے سے روکتے ہیں: ''تم لوگ اللہ کہہ کر پکارو یا الرحمٰن کہہ کر (ان میں سے) جس نام سے بھی پکارو، اسی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں'' یعنی تم اپنی دعاؤں میں اللہ نام لے کر پکارو یا الرحمٰن کہہ کر اس سے فرق نہیں پڑتا، اس کے بہت سے اچھے نام ہیں۔[تفسیر ابن کثیر]

لہذا کوئی اس غلط فہمی میں نہ پڑے کہ اللہ کو من گھڑت ناموں سے پکارنا جائز ہے بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنے جو نام بتائے ہیں ان میں سے جس نام سے بھی اسے پکاریں اس نے ہمیں اس کی اجازت دی ہے۔ معلوم ہوا کہ کتاب وسنت میں مذکور اللہ کے ناموں کے علاوہ اس کا اور کوئی نام رکھنا جائز نہیں، کیونکہ ان ناموں کا تعلق غیب سے ہے اور ہمارے پاس اللہ کے نام جاننے کے لئے کتاب وسنت کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے، ہم اہل کتاب پر بھروسہ نہیں کر سکتے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کر ڈالی اور جو دیگر کفار و مشرکین ہیں ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے بلکہ انہیں کی تحریر کردہ کتابیں ہیں جو ہمارے لیے اسوہ نہیں ہیں۔ لہذا مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کتاب وسنت سے باہر اللہ کا کوئی نام تلاش کریں، اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے، کیوں کہ اللہ نے اپنے بہت سے نام ہمیں بتائے ہیں اور نبی ﷺ نے انہیں یاد کرنے کی ترغیب دی ہے بلکہ اللہ کے ننانوے نام یاد کرنے والے کو جنت کی بشارت دی ہے تاکہ لوگ ان ناموں کو یاد کر کے اپنے رب کو پکاریں۔

بعض لوگوں کو اصرار ہے کہ برصغیر میں ''خدا'' کا لفظ اللہ کے لیے رواج پا گیا ہے اور اس لفظ کے ذریعہ اللہ ہی کو پکارا جاتا ہے، اس لئے لفظ ''خدا'' کا استعمال جائز ہے، بلکہ ہر زبان میں اللہ کے لیے جو لفظ مستعمل ہے مثلاً ایشور، بھگوان، گاڈ وغیرہ اللہ کے لیے ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ الفاظ ہماری زبان میں اللہ کے لیے رائج ومستعمل ہیں۔ یہ کون سی دلیل ہے، اگر کسی چیز کے رائج ہونے سے اس کی حلت ثابت ہو تو کہنا پڑے گا کہ ہمارے ملکوں میں سود کا لین دین رائج ہے اس لئے سود لینے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ دھیرے دھیرے بے حیائی، حرام کاری چوری ڈکیتی قتل وغارت گری عام ہوتی جارہی ہے تو کیا آپ ان چیزوں کے رواج پا جانے سے انکے جائز ہونے کا فتویٰ دیں گے؟ صحیح بات یہ ہے کہ اس کے لیے کتاب وسنت سے دلیل کی ضرورت ہے اور کتاب وسنت میں لفظِ ''خدا'' کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ لہذا لفظ ''خدا'' کو اللہ تعالیٰ کا نام قرار دینا اللہ کے متعلق وہ بات بولنا ہے جس کا ہمیں علم نہیں ہے اور ایسا کرنا حرام ہے۔

لفظِ ''خدا'' کو اللہ کا نام قرار دینے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص قوم یا علاقے کا رب نہیں ہے بلکہ رب العالمین ہے.....لوگوں نے اپنی اپنی زبانوں میں اللہ تعالیٰ کے لیے مختلف الفاظ استعمال کئے ہیں مگر ان سب ناموں سے مراد ایک ہی ہستی ہوتی ہے، مثال یہ دیتے ہیں کہ زمین کے لیے اہلِ عرب ارض، انگریز ارتھ اور ہم لوگ زمین کہتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو مختلف ناموں سے پکارنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ پکاری جانے والی ہستی ایک ہی ہے۔ گویا ان لوگوں کو اعتراف ہے کہ لفظِ خدا خود ساختہ نام ہے، لوگوں نے اپنی زبان میں استعمال کرنے کے اسے گھڑ لیا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ ہمارے من گھڑت ناموں کا محتاج ہے؟ جو قوم خدا بول سکتی ہے وہ اللہ کیوں نہیں بول سکتی، آخر اس کو گھڑنے کی کیا ضرورت پیش آئی، اللہ کی کس عظیم صفت کا اس

میں بیان ہے جس کو ذکر کر کے دعاء کرنے سے بارگاہِ الٰہی میں دعاء قبول ہوتی ہے؟ لفظِ خدا کو جائز قرار دینے کے لیے زمین کی مثال دی ہے کہ مختلف زبانوں میں اس کے مختلف نام ہیں، اللہ کے لیے زمین کی مثال؟ تمام چیزوں کے لیے ہر زبان میں الگ الگ نام ہیں۔ قلم، کاغذ، دوات، میز، کرسی جو چیز بھی لیں ان کے مختلف زبانوں میں الگ الگ نام ہیں، ان جامد وغیر عاقل چیزوں کی مثال تو انسانوں کے لیے دینا درست نہیں ہے اور آپ رب العالمین کے لیے دیتے ہیں۔ غیر عاقل چیزوں کے لیے مختلف زبانوں میں مختلف نام رکھے گئے ہیں کیونکہ ان کو پکارنے اور بلانے کی ضرورت پیش نہیں آتی، مگر جو عاقل ہیں ان کا نام جس زبان کا بھی ہو، اسی نام سے پکارا جاتا ہے، اس دلیل کی بناء پر اس کا کوئی نام نہیں بدلتا کہ میں اردو زبان والا ہوں اور تم عرب ہو اس لیے میں نے تمہارا نام بدل کر تمہیں بلایا ہے، اگر کوئی ایسا کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ عرب اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں اور اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے ناموں کا ترجمہ کر کے اسے پکارے تو یہ ترجمہ ہوگا نہ کہ اس کا نام قرار پائے گا۔ اور لفظِ ''خدا'' تو اللہ تعالیٰ کے کسی نام کا ترجمہ بھی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ذاتی نام کے طور پر بنایا گیا ہے اور خدا بولنے والوں کو اس کا اعتراف بھی ہے؛ اس لیے ترجمہ والی بات بھی یہاں صادق نہیں آتی کہ کہہ دیا جائے یہ اللہ کے فلاں صفتی نام کا ترجمہ ہے، ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے تو پھر اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ خدا اللہ کے ناموں میں اضافہ کرنا ہے جو جائز نہیں ہے۔

یہ حضرات اردو لغت اور اس زبان کے شعراء وادباء کا کلام پیش کر کے دلیل دیتے ہیں کہ انہوں نے لفظ خدا کا استعمال کیا ہے۔ کسی زبان میں اہلِ لغت اور ادباء وشعراء کا کلام اس زبان میں مستعمل الفاظ کے لیے معتبر ہوتا ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ کا نام رکھنے کے لیے۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں کا خالص ہمارے عقیدے سے تعلق ہے، ایک ادنی طالب علم بھی جانتا ہے کہ توحید کہ تین قسموں میں ایک قسم توحیدِ اسماء وصفات بھی ہے۔ توحید کے کسی مسئلے کے حل کے لیے کتاب وسنت کی دلیل چاہئے، اسی طرح اسکی توضیح کے لیے علمائے اسلام کے مدلل کلام کو پیش کیا جائے گا نہ کہ شعراء وادباء کے کلام کو۔ اہلِ لغت نے جو لفظِ خدا کی تشریح اللہ کے ذاتی نام سے کی ہے یا شعراء نے اسے اپنے کلام میں استعمال کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ ہماری زبان میں اللہ کے لیے رائج ہے اور انہوں نے اسے اختیار کر لیا ہے؛ مگر کسی لفظ کے رواج پا جانے سے وہ اللہ تعالیٰ کا نام نہیں ٹھہرے گا جب تک کہ اس کی شرعی دلیل نہ مل جائے۔ شعراء وادباء کو اسلام عقائد اور شرعی احکام میں کیا دخل ہے، ان میں سے اکثر کو نہ عقیدے کا علم ہوتا ہے نہ مسائل و دلائل کا۔ شعراء کے تعلق سے تو اللہ تعالیٰ نے صراحت فرمادی ہے کہ ان کی پیروی گمراہ لوگ کرتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿والشعراء يتبعهم الغاوون ألم تر أنهم فى كل واد يهيمون وأنهم يقولون ما لا يفعلون﴾ [الشعراء:۲۲۴-۲۲۶] ''اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں، کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ بلاشبہہ وہ (خیال کی) ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں، اور بلاشبہہ وہ (ایسی باتیں) کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔'' تعجب خیز امر ہے کہ ان سب باتوں کے باوجود شعراء کا کلام ایک اہم شرعی مسئلہ کے حل کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔

رہی یہ بات کہ ''اسرائیل اور اسماعیل'' دو نبیوں کے نام ہیں اور دونوں عبرانی زبان کے دو لفظ سے مرکب ہیں، ایک ''اسرا'' (مجاہد) دوسرا ''ئیل'' (اللہ) یعنی اللہ کا مجاہد۔ دوسرا نام اسماعیل بھی عبرانی زبان میں ''یشمع'' اور ''ئیل'' سے مرکب ہے،

جس کا معنی ہے ''اللہ سنتا ہے۔'' اسماعیل علیہ السلام کا نام اسماعیل اس لئے رکھا گیا کہ ہاجرہ علیہا السلام نے بچے کی پیاس بجھانے کے لیے پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کا چھ چکر لگایا اور پانی نہیں ملا، ساتویں چکر میں اللہ نے ان کی دعاء قبول کی تو انہوں نے کہا: ''یسمع اللہ دعائی'' (اللہ میری دعاء سنتا ہے) پھر اپنے رب کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرنے کے لیے انہوں نے اپنے بیٹے کا نام اسماعیل رکھا تھا کہ اپنی دعاء اور اپنے رب کی طرف سے قبولیت کو یاد کرتی رہیں۔[معانی أسماء الأنبیاء، ص:۴]

اس سے بعض لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ دونوں نبیوں کے نام میں ''ئیل'' اللہ کے لیے استعمال ہوا ہے، لہذا کسی زبان میں اللہ کے لیے کوئی نام اختیار کیا گیا ہو تو اللہ کے لیے اس کا استعمال درست ہے۔ہم ذکر کر چکے ہیں کہ سلف صالحین اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں، ان میں عقل کو دخل نہیں ہے۔ اسرائیل و اسماعیل دونوں نام قرآن مجید میں آئے ہوئے ہیں، اس لیے ہم اسے تسلیم کرتے ہیں، اگر ''خدا'' کا لفظ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن یا صحیح حدیث میں آیا ہوتا تو ہم اسے بھی مانتے، مگر چونکہ لفظِ ''خدا'' اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن وحدیث میں استعمال نہیں ہوا ہے اس لیے اس بارے میں ہم توقف اختیار کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام ہم اپنی عقل سے نہیں جان سکتے۔اسی طرح ایشور، بھگوان، گاڈ وغیرہ بھی قرآن وحدیث میں نہیں آئے ہیں اس لیے ہم انہیں اللہ تعالیٰ کے نام کے طور پر استعمال کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔

اور جو یہ بات کہی جاتی ہے کہ ''کتاب وسنت میں وارد ناموں کو اختیار کرنا، اللہ تعالیٰ کو قومی معبود بنانے کے ہم معنی ہے اور اس سے اسلامی دعوت کو زبردست نقصان پہنچے گا'' تو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارا پورا دین اور اسلامی شریعت عربی زبان میں نازل ہوئی ہے مگر کوئی مسلمان یہ نہیں سمجھتا کہ اسلام صرف عربوں کے لیے ہے کیونکہ قرآن نے صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے: ﴿قل یا أیھا الناس إنی رسول الله إلیکم جمیعا﴾ [الأعراف:۱۵۸] ''کہہ دیجئے اے لوگوں میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' پھر کتاب وسنت میں موجود اللہ کے ناموں کو کوئی صرف عربوں کے لیے کیوں سمجھے گا۔ہم نے کبھی یہ تو نہیں کہا کہ اللہ کے ناموں کا ترجمہ نہ کرو اور انہیں سمجھنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ جو اللہ نے یا اس کے رسول ﷺ نے اللہ کے نام بتائے ہیں انہیں پہ اکتفاء کرو، اپنی طرف سے اللہ کے نام نہ رکھو۔ اور دعوتِ دین کے وقت کسی اچھے سمجھدار داعی کا یہ اسلوب نہیں ہوتا کہ وہ غیر مسلم کے سامنے اللہ کے ناموں کے جائز و ناجائز ہونے کی بحث چھیڑے بلکہ اس کی دعوت، توحید و شرک اور محاسنِ اسلام پر مشتمل ہوتی ہے۔اللہ کے ناموں کے تعلق سے ہمارا کیا موقف ہونا چاہئے یہ بحث ان مسلمانوں کو سمجھانے کے لیے ہے جو سلفِ امت کا صحیح موقف نہیں جانتے اور بلا دلیل عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں۔جب ہمارا موقف یہ ہے تو اس بحث سے اسلامی دعوت کو کیوں کر نقصان پہنچے گا؟

ملک خالد یونیورسٹی میں عقیدہ اور عصری مذاہب کے استاذ ڈاکٹر محمود عبدالرزاق الرضوانی لکھتے ہیں: ''سلف صالحین اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں، انہیں عقل سے اختیار کرنا درست نہیں ہے۔کتاب وسنت میں جو نام آئے ہیں انہیں پہ توقف کرنا واجب ہے، ان میں زیادتی اور کمی نہیں کی جائے گی۔اس لیے کہ اللہ کے لائق ناموں کا ادراک عقل کے لیے ممکن نہیں ہے، لہذا اس بارے میں نص پر توقف کرنا واجب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولا تقف ما لیس لك به علم إن السمع والبصر والفؤاد کل أولئك کان عنه مسؤولا﴾ [الاسراء:۳۶] ''اور جس بات کا آپ کو علم ہی نہیں اس کے پیچھے نہ

لگیں، بے شک کان آنکھ اور دل، ان میں سے ہر ایک کی بابت سوال کیا جائے گا'' لہذا اللہ کا وہ نام رکھنا، جو اس نے خود اپنا نہیں رکھا، بغیر علم کے اللہ کے متعلق بولنا ہے، اور ایسا کرنا حرام ہے۔ نیز ارشاد ربانی ہے:﴿قل إنما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن والإثم والبغی بغیر الحق وأن تشرکوا بالله ما لم ینزل به سلطانا وأن تقولوا علی الله ما لا تعلمون﴾ [الأعراف:۳۳] ''کہہ دیجئے: بے شک میرے رب نے بے حیائی کی باتوں کو حرام ٹھہرایا ہے، چاہے وہ ظاہر ہوں یا چھپی ہوئی، اور گناہ کو اور ناحق ظلم کو بھی، اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم اللہ کے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری، اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم اللہ کے متعلق وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے۔'' نیز اللہ کا وہ نام رکھنا جو اس نے اپنا نہیں رکھا، یا جو اس نے اپنا نام رکھا ہے اس کا انکار کرنا، اللہ تعالیٰ کے حق میں زیادتی ہے۔ لہذا اس بارے میں ادب کا راستہ اپنانا اور جو نام نص سے ثابت ہیں انہیں پر اکتفاء کرنا واجب ہے۔

اللہ کے نام توقیفی ہیں، اصطلاحی نہیں، اُسے یا علیم کہہ کر پکارنا تو جائز ہے لیکن یا عاقل کہہ کر پکارنا جائز نہیں ہے، اُسے یا حکیم کہہ کر تو پکارا جائے گا لیکن یا مہندس کہہ کر پکارنا جائز نہیں۔ اللہ کے ناموں میں الرحیم آیا ہے لیکن اس پر قیاس کرکے اسے الرقیق نہیں کہا جائے گا۔ اللہ کے نام الحلیم اور الصبور پر قیاس کرکے اسے الوقور اور الرزین کہنا جائز نہیں ہے، اور اللہ کے ناموں میں العلیم ہے اور اس کی صفت علم ہے لیکن اس پر قیاس کرکے اس کا نام عارف رکھنا جائز نہیں ہے۔

اور اہل علم متفق ہیں کہ اللہ کے نام اور اس کی صفات شرعی اجازت اور دلیل نصی سے بیان کیے جائیں گے، کیونکہ اللہ کے نام توقیفی ہیں۔ اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔ اور سنت میں ابوہریرہ و عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (لا أحصی ثناء علیك، أنت کما أثنیت علی نفسك) ''میں تیری کما حقہ تعریف نہیں کر سکتا، تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے اپنی تعریف کی ہے'' اور نام رکھنا ثناء (تعریف) ہے۔ معلوم ہوا کہ عقل کا اللہ کے ناموں میں دخل نہیں ہے۔ ہمارا کام تصدیق کرنا اور نصوص پر ٹھہر جانا ہے۔ اور جب نبی ﷺ کا اپنی طرف سے نام رکھنا جائز نہیں ہے تو خالق سبحانہ وتعالیٰ اس احترام کا کہیں زیادہ مستحق ہے۔

معتزلہ (گمراہ فرقہ) کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی نہیں ہیں، اللہ کا ہر وہ نام رکھنا جائز ہے جس کی صفت اس میں موجود ہو اور اس سے اس کی تنقیص نہ ہوتی ہو؛ کتاب وسنت کی دلیل ہو یا نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس تعلق سے ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ اور ان کے استاذ ابوعلی الجبائی کے درمیان مناظرہ ہوا، ابوعلی جبائی کے پاس ایک آدمی نے آکر سوال کیا: کیا اللہ تعالیٰ کا نام عاقل رکھنا جائز ہے تو الجبائی نے کہا نہیں، کیونکہ عقل، عقال سے مشتق ہے اور وہ روکنے والی ہے، اور اللہ کے حق میں روکنا محال ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کے لیے اس نام کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ سن کر ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے کہا: آپ کے اس قیاس کی بنیاد پر تو اللہ تعالیٰ کو الحکیم بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ نام تو حکمۃ اللجام (لوہے کی مضبوط لگام) سے مشتق ہے؛ اور لوہے کی مضبوط لگام جانور کو کہیں جانے سے روک دیتی ہے، اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ شعر بھی اس پر شاہد ہے:

فنحکم بالقوافی من هجانا ونضرب حین تختلط الدماء

''ہم ابیات وقوافی کے ذریعہ اپنی مذمت کرنے والوں کو روک دیتے ہیں، اور ہم اس وقت کاری ضرب لگاتے ہیں جب

جنگ جو ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہوں۔'' اور دوسرا شاعر کہتا ہے:

أبني حنيفة حكموا سفهائكم إني أخاف عليكم أن أغضبا

دونوں ابیات میں ''نحكم اور حكموا'' روکنے کے معنی میں ہے؛ اور جب یہ لفظ منع سے مشتق ہے اور اللہ کو منع کرنا محال ہے، اس لیے آپ لازم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کو الحکیم کہنے سے بھی منع کریں۔ میری بات سن کر الجبائی نے کوئی جواب نہیں دیا، صرف اتنا کہا: پھر تم اللہ تعالیٰ کو عاقل کہنے سے کیوں منع کرتے ہو جب کہ الحکیم نام رکھنے کی اجازت دیتے ہو؟ میں نے ان سے کہا: کیونکہ میرا طریقہ اللہ کے ناموں میں شرعی اجازت کا ہے نہ کہ لغوی قیاس کا میں نے اللہ کا نام الحکیم کہا کیونکہ شریعت نے اسے بیان کیا ہے اور عاقل نام رکھنے سے منع کیا کیونکہ شریعت نے اس سے روکا ہے؛ اگر شریعت میں یہ نام آیا ہوتا تو میں بھی کہتا۔

امام ابن حزم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا صرف وہی نام رکھنا جائز ہے جو اس نے اپنا نام رکھا ہے، اور اس کے بارے میں وہی خبر دینا جائز ہے جو اس نے اپنے بارے میں اپنی کتاب اور نبی ﷺ کی زبانی بتایا ہے، یا جس کے بارے میں تمام اہلِ اسلام کا یقینی اجماع صحیح ہو، اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔ معنی صحیح ہو تب بھی کسی لفظ کا اللہ پر اطلاق جائز نہیں ہے۔ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿والسماء بنيناها بأيد وإنا لموسعون﴾ [الذاریات: ۴۷] ''اور ہم نے آسمان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اور بلاشبہہ ہم بہت وسعت والے ہیں'' لیکن اللہ تعالیٰ کو بناء (معمار) کہنا جائز نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے پودوں اور جانوروں کو مختلف رنگوں میں پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿صبغة الله ومن أحسن من الله صبغة ونحن له عابدون﴾ [البقرۃ: ۱۳۸] ''اللہ کا رنگ اختیار کرو، اور رنگ کے لحاظ سے اللہ سے زیادہ اچھا کون ہے، اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔'' مگر اللہ کا نام صباغ (رنگنے والا) رکھنا جائز نہیں ہے، اسی طرح ہر وہ نام جو اس نے اپنا نہیں رکھا وہ نام اس کے لیے رکھنا جائز نہیں ہے۔'' [کتاب أسماء اللہ الحسنی فی الکتاب والسنۃ، باب حصر الأسماء الحسنی، للدکتور محمود عبدالرزاق الرضوانی]۔

معلوم ہوا کہ سلف صالحین اللہ تعالیٰ کے ناموں کو توقیفی سمجھتے تھے، اور ان میں حذف و اضافہ کو الحاد و بے دینی سمجھتے تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے ناموں کو یاد کریں، انہیں پڑھیں اور اپنی دعاؤں میں انہیں ذکر کر کے اللہ سے اپنی حاجتیں طلب کریں، اسی میں خیر اور بھلائی ہے، اور کتاب و سنت سے باہر جو نام کسی زبان میں اللہ کے لیے رائج ہیں ان کے استعمال سے پرہیز کریں۔ کسی مذہب اور قوم کی اور خود ہماری باتیں دین نہیں ہیں۔ دین مکمل ہو چکا ہے، اس میں اضافے کی گنجائش نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا﴾ [المائدۃ: ۳] ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام سے میں راضی ہو گیا''۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دین اسلام کی خالص تعلیمات سے راضی کر دے اور اس میں کمی بیشی کرنے سے ہم سب کو بچائے۔ آمین۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

☆☆☆

اسلام کی عالمگیری کے اسباب

مولانا آزاد رحمانی رحمہ اللہ

اسلام سے پہلے دنیا میں بہت سی اصلاحی تحریکیں اٹھیں جن کا مقصد انسانی معاشرہ کے اندر پھیلی ہوئی برائیوں کو دور کرنا تھا لیکن ان کا دائرہ محدود اور وقتی تھا البتہ اسلام نے جو پیغام لوگوں کو دیا وہ ہمہ گیر اور دائمی ہے اور اس کی تخصیص نہ عرب کے ساتھ ہے اور نہ عجم کے ساتھ، یہ پیغام ہر ملک وقوم اور ہر وقت اور ہر زمانہ کے لیے ہے قرآن مجید میں ہے: ﴿ قل یاأیها الناس إنی رسول الله إلیکم جمیعا﴾ [سورہ اعراف:۱۵۸] ''آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں'' دوسری جگہ ہے: ﴿وما أرسلناك إلا کافة للناس بشیرا ونذیرا ولکن أکثر الناس لا یعلمون﴾ [سورہ سبا:۲۸] ''اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے (ایمان لانے پر ان کو ہماری رضا و ثواب کی) خوشخبری سنانے والے اور (ایمان نہ لانے پر ان کو ہمارے غضب کو عذاب سے) ڈرانے والے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔'' اور ایک حدیث ہے: ''عن جابر عبد الله قال قال رسول الله ﷺ أعطیت خمسا لم یعطهن أحد من الأنبیاء قبلی، نصرت بالرعب مسیرة شهر وجعلت لي الأرض مسجدا وطهورا فأیما رجل من أمتی أدرکته الصلوة فلیصل وحلت لي الغنائم ولم تحل لأحد قبلي وأعطیت الشفاعة وکان النبی یبعث إلی قومه خاصة و بعثت إلی الناس عامة۔'' (متفق علیہ)

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں کہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں (۱) ایک مہینہ کی مسافت پر رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔ (۲) زمین میرے لیے مسجد اور پاک کرنے والی بنائی گئی ہے۔ (۳) میرے لیے غنیمت کا مال حلال کیا گیا جو مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے حلال نہیں تھا۔ (۴) مجھے شفاعت عطا ہوئی ہے۔ (۵) پہلے کے نبی خاص خاص قوموں میں مبعوث ہوتے تھے اور میں عام لوگوں کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔

قرآن کی مذکورہ بالا آیتیں اور یہ حدیث جہاں رسول اللہ ﷺ کے شرف وامتیاز کی دلیل ہیں وہیں ان سے اس بات کا پتہ بھی چلتا ہے کہ اسلام کا نظام ایک عالمگیر نظام ہے یعنی زمان ومکان کی قید کے بغیر تمدن ومعاشرت کے ہر طبقہ کے لیے اس میں انسان کو رہنمائی مل سکتی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو تو دنیا کے دوسرے ادیان پر اسلام کی فوقیت وبرتری کے لیے یہی ایک چیز کافی ہے۔ یعنی دوسرے انبیاء کی تعلیم ایک محدود خطہ اور محدود وقت کے لیے ہوا کرتی تھی اس کے اندر اتنی ہمہ گیری اور وسعت نہیں تھی کہ ہر زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دے سکے یا اس سے مختلف المزاج قوموں اور مختلف المقام انسانوں کے درد اور دکھ کا مداوا کیا جا سکے۔ مثلاً تورات کتاب استثناء کے بائیسویں باب کی گیارہویں آیت کا فارسی ترجمہ ہے کہ: ''پارچہ

مختلط از پشم وکتان بافتہ مپوش واز برائے خود بر چہار گوشہ جامۂ را کہ خود را بآن مپوشی بند ہا بدوز'' تو مختلف بناوٹ کا کپڑا جیسے اون اور ریشم سے ملا ہوا ہومت پہن تو اپنی پوشاک کے چاروں کونوں میں جسے تو اوڑھتا ہے جھالر لگائیو۔ (آیت ۱۲)

کتاب مذکور کے بیسویں باب کی تیرہویں آیت اس طرح ہے ''وچوں خداوند خدایت آں را بدستت بسپارد تمامی ذکورانش را بدم شمشیر بکش۔'' اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کردے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر۔سولہویں اور سترہویں آیت اس طرح ہے: ''اما از شہر ایں اقوامے کہ خداوند خدایت بتو جہت ارثیت میدہد ہیچ ذی نفسے را زندہ وامگذار بلکہ ایشاں را یعنی حتیاں و اموریاں و کنعنیاں و پریزیاں وحویاں و بیوسیاں را نیچہ کہ خداوند خدایت امر فرمودہ است بالکل ہلاک ساز''۔ لیکن ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کردیتا ہے کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑیو۔ بلکہ تو ان کو بالکل ہلاک کیجیو، حتی اور اموری اور کنعانی اور فریزی اور حوی اور یبوسی کو جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھے حکم کیا ہے۔

تورات کے فارسی ترجمہ کو ہم نے ولیم کلن قسیس کے اس ترجمہ سے اخذ کیا ہے جو ایک ایرانی عالم وفاضل خانی ہمدانی کی استعانت سے کیا گیا ہے اور جسے ۱۸۵۶ء میں لندن سے شائع کیا گیا تھا، اس ترجمہ کی اہمیت اس اعتبار سے بہت زیادہ ہے کہ خود ولیم کلن عبرانی زبان کے عالم بلکہ اس کے ایک نامور پروفیسر ہیں، اسی کے ساتھ فارسی کا ترجمہ ہم نے تورات کے اردو ترجمہ سے لیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس دور تمدن ومعاشرت میں توریت کی یہ ہدایت کون قبول کرے گا کہ کوئی مختلط کپڑا نہ پہنا جائے اور چادر جیسی اوڑھنے کی پوشاک کو جھالروں سے مزین بنایا جائے، یہ تعلیم صرف ایک خاص ماحول اور معاشرت سے تعلق رکھتی ہے۔عورتوں کے لیے تو یہ ایک مناسب تعلیم ہے لیکن مرد بھی اس کی پابندی کریں یہ امر مشتبہ اور ناقابل یقین ہے۔اسی طرح توریت میں موسیٰ علیہ السلام کو لڑائی کے وقت جس سلوک کی تعلیم دی گئی ہے کہ دوسری قوموں پر غالب آنے کی صورت میں ہر متنفس اور جاندار کو موت کے گھاٹ اتار دیں اگر دور حاضر میں اس پر عمل کیا جائے تو فاتح یہودی مفتوحہ ممالک میں کن لوگوں پر حکومت کریں گے؟ جب آبادی کے نام کی وہاں کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جس زمانے میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر امریکہ نے ایٹمی حملہ کیا تھا اس زمانہ میں امریکہ کے خلاف کتنا طوفان اٹھا تھا اس حقیقت کے باوجود کہ امریکی حملہ سے جاپان کی کل آبادی فنا نہیں ہوگئی، دنیا میں ایک کہرام مچ گیا اور ہر طرف سے حملہ آور پر طعن وتشنیع کے تیر برسائے گئے اگر آج دنیا کا کوئی فاتح ملک اپنے مفتوح ملکوں سے اس طرح کا سلوک کرے جیسے توراۃ کی کتاب استثناء میں مذکور ہے تو دنیا کی قومیں اسے کیسے گوارا کرسکتی ہیں معلوم ہوا کہ توراۃ کی تعلیم اپنے اندر عالمگیر تعلیم بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

یہی حالت عیسائی مذہب کی بھی ہے اول تو اناجیل کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوکر سامنے آجاتی ہے کہ عیسیٰ علیہ

السلام کوصرف اسرائیل کے پاس بھیجا گیا تھااوران کی تعلیم دنیا کی تمام قوموں کے لیےتھی ہی نہیں۔دوسرے یہ کہ عیسائیوں نے اپنے دین میں کچھ باتیں اپنی مرضی سے داخل کرلی تھیں جوخدا کی فرض کردہ نہیں تھیں لیکن جب انھوں نے اپنی ذات کواس کا پابند بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لازم کردیا لیکن بعد میں وہ انھیں بھی نہیں نباہ سکے قرآن کہتا ہے:﴿ ورهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم إلا ابتغاء رضوان الله فما رعوها حق رعايتها﴾ [سورہ حدید:۲۷]اورانھوں نے رہبانیت کوخودایجادکرلیا،ہم نے ان پراس کوواجب نہیں کیا تھاسوانھوں نے اس رہبانیت کی پوری رعایت نہ کی۔

رہبانیت کے معنی ہیں دنیا سے ترک تعلق کرکے پہاڑوں کے کھوہ غاراورگھاٹیوں میں یا گرجاؤں کے اندر بیٹھ رہنا اپنے اوپر دنیا کی لذتوں کوحرام کرلینا، نکاح وغیرہ سے الگ رہنا اوراللہ کی عبادت میں حد سے زیادہ مشقت اٹھانا موٹے جھوٹے کپڑے پہننااوراسی طرح کے کھانے کھاناوغیرہ وغیرہ۔

یہ رہبانیت بجائے خودانسان کی عمرانی زندگی کاایک ایساجذام ہے جس سے انسان کی تخلیق کا مقصد پورانہیں ہوتا،اگر دنیا کی بیشتر آبادی راہب بن جائے توانسانوں میں سلسلۂ توالدوتناسل منقطع ہوجائے گااورکچھ دنوں کے بعد دنیا میں رہنے کے لیےکوئی ملے گانہیں،ظاہر ہے کہ رہبانیت کا یہ طریقہ قدرت کے نظام سےکوئی مطابقت نہیں رکھتااورنہ یہ دنیا کے مسائل کے حل کاکوئی ایجابی پہلو ہے بلکہ یہ اپنے عجز کااظہاراوردنیا کے مسائل سے فرار کاایک راستہ ہے جونسل انسانیت کوراس نہیں آسکتا،اسی طرح متی کی انجیل کے پانچویں باب کی اکتیسویں آیت ہے کہ:

”یہ بھی کہا گیا تھا کہ جوکوئی اپنی بیوی کوچھوڑےاسے طلاق نامہ لکھ دےلیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جوکوئی اپنی بیوی کوحرام کاری کےسواکسی اورسبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کراتا ہےاورجوکوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔“

ظاہر بات ہے کہ انجیل کی یہ تعلیم انسانی معاشرہ کی اصلاح کی بات نہیں ہوسکتی اس لیے کہ دنیا میں انسانی مزاج کے اندر بڑاتفاوت ہے جب کسی ایک معاشرہ میں مختلف مزاج کےلوگ جمع ہوجاتے ہیں توان کا ذہنی تفاوت باہمی ٹکراؤ کی صورت میں نمودار ہوتا رہتا ہےاوراس طرح آہستہ آہستہ ان کا اتحاد دیکھ کراس معاشرہ کومختلف حصوں میں تقسیم کردیتا ہے،اسی طرح میاں اور بیوی کے درمیان میں بھی ذہنی تفاوت ہوسکتا ہے جب ایسا ہوگا تو اس کالازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ گھر باہمی اختلاف کی آماجگاہ بن جائے گااوراس گھر سے تعلق رکھنے والے تمام افراد ذہنی سکون اورروحانی طمانیت سے محروم ہوجائیں گےاس کا علاج شریعت محمدیہ نے یہ تجویز کیا ہے کہ ایسی صورت میں شوہر طلاق دےکر بیوی سے علیحدگی اختیار کرلے یا بیوی اگرشوہر سے راضی نہیں ہےتوخلع کرالے،لیکن عیسوی مذہب میں تفاوت مزاج کے باعث طلاق طلاق نہیں بلکہ موجب زنا ہے۔مطلقہ عورت سے شادی کرنے والابھی زانی اوروہ عورت بھی زانیہ ہےنیز جس نے حرام کاری کےسواکسی اورسبب سےطلاق دی وہ

بھی زنا کرنے والاقرار پایا۔

تمدن ومعاشرت کی آج کی دنیا میں اس اصول پرعمل کرنا ممکن نہیں ہے جب کہ آج یورپ میں طلاق کی تعداد بہت بڑھ گئی ہےاورادنی ادنی باتوں پروہاں کی عدالتوں میں طلاق کے بےشمار کیسز دائر ہوتے ہیں اگرشوہر نے بیوی کے کتے سے محبت نہیں کی تو طلاق، اگرشوہر نے بیوی سے اظہارمحبت میں کوئی ناپسندیدہ رویہ اختیار کیا تو طلاق وغیرہ وغیرہ، حالانکہ وہاں کی بیشتر آبادی عیسائی مذہب کی پیرو ہے، سوچئے کہ وہاں انجیل کےاس اصول کے مطابق زنا کے کتنے واقعات آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔

اسی طرح انجیل متی کے پانچویں باب کی اڑتیسویں سے لےکر بیالسویں آیت تک اس طرح ہے۔

''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پرطمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دینا۔اور اگر کوئی تجھ پر نالش کرکے تیرا کرتا لینا چاہےتو چوغہ بھی اسے لے لینے دے۔اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دوکوس چلا جا۔جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دےاور جو کوئی تجھ سے قرض چاہےاس سے منہ نہ موڑ۔

آیت کا پہلا حصہ تو قرآن کی ہدایت کے مطابق اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ:﴿وكتبنا عليهم فيها أن النفس بالنفس والعين بالعين والأنف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص﴾ [سورہ مائدہ:۴۵] ''اور ہم نے توراۃ میں ان پر یہ فرض کیا کہ جان کے بدلہ جان لی جائے اور آنکھ کے بدلے آنکھ پھوڑی جائے اورناک کے بدلے ناک کاٹی جائے اورکان کے بدلے کان تراشا جائے اوردانت کے بدلے دانت اکھاڑا جائے اور زخموں کے بدلے(اگرہوسکے)ویسے ہی زخم لگائے جائیں۔

لیکن عیسیٰ علیہ السلام کی یہ تعلیم کہ ایک گال پرطمانچہ کھا کر دوسرا بھی مارنے والے کے آگے کردو، کرتا لینے والے کو چوغہ بھی دےدواور بیگار میں ایک کوس کے بجائے دوکوس چلے جاؤ، بھلا کس طرح قابل عمل ہے؟ کیا آج کی عیسائی حکومتیں اس تعلیم کو اپنا دستورالعمل بنا سکتی ہیں؟ انتداب وملک گیری کی یہ ہوس جو یورپین ممالک میں آج کل عام ہےاس تعلیم کا ساتھ بھلا کب تک دے سکتی ہے ظاہر بات ہے کہ یہ عمل کرنے کی چیز نہیں ہے۔

جب دنیا کے دوقدیم مذاہب(یہوداورعیسائیت)جوروئے زمین پرکسی نہ کسی شکل میں آج بھی موجود ہیں اپنے دامن میں اتنی وسعت نہیں رکھتے کہ اس کے سایہ میں دنیا کی دوسری قوموں کو جگہ مل سکے تو ایسے مذاہب وادیان کس شمار میں آسکتے ہیں جن کی کوئی متعین شکل اب دنیا میں موجود نہیں ہےاورجن کی اساس اور بنیاد اگر آج تلاش کی جائے تو چند رسوم کے سوا کچھ ہاتھ آنے والا نہیں ہے دین یا مذہب کے نام پر ان کے یہاں جو رسوم مروج ہیں ان کی کوئی صحیح سند نہیں ہےاور نہ ان مذاہب

کے پیشواؤں سے ان کے دین کا کوئی حصہ یقین کے ساتھ ثابت کیا جا سکتا ہے اس لیے دنیا کو ایک ایسے عالمگیر مذہب کی ضرورت تھی جو تمام بنی نوع انسان کا دستور العمل بن سکے اور جس پر زمان ومکان کے تغیرات اثر انداز نہ ہوں اس لیے کہ فطرت انسان کو گمراہی کے راستہ پر چلتا ہوا دیکھنا پسند نہیں کرتی اگر ایسا ہو تو وہ اپنی طرف سے ان کی ہدایت کا سامان کرتی ہے سورۃ نساء میں ہے: ﴿رسلا مبشرين و منذرين لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل﴾ [سورہ نساء:۱۶۵] ''ان سب کو خوشخبری دینے اور خوف سنانے والے پیغمبر بنا کر اس لیے بھیجا تا کہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان پیغمبروں کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے''۔ اور سورۃ بنی اسرائیل میں ہے: ﴿وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا واذا أردنا أن نهلك قرية أمرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا﴾ [سورہ بنی اسرائیل:۱۷] ''اور ہم سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر (جب) وہ لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں تب ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔ پھر اس بستی کو تباہ اور غارت کر ڈالتے ہیں۔

یہ خداوند قدوس کا ایک دائمی دستور ہے کہ انسان کی بے راہ روی اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی، دنیا میں جب کبھی ایسا ہو جاتا ہے تو قدرت ہی کی جانب سے ان کی رہنمائی کا سامان بھی ہوتا ہے۔ اگر لوگ اس پر بھی نہ مانیں تو ان کے لیے تباہی وبربادی مقدر ہو جاتی ہے اور ایسی قوم کے سب کے سب لوگ قضا کے گھاٹ اتار دیئے جاتے ہیں اور ان کے بعد ان کی جگہ دوسری قوم پیدا کی جاتی ہے۔ ﴿ألم يروا كم أهلكنا من قبلهم من قرن مكناهم فى الأرض ما لم نمكن لكم وأرسلنا السمآء عليهم مدرارا وجعلنا الأنهار تجري من تحتهم فأهلكناهم بذنوبهم وأنشأنا من بعدهم قرنا اٰخرين۔﴾ [سورہ انعام:۷] ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم ان کے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے سے نہریں جاری کیں پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا۔

قدرت کے اس قانون کے مطابق دنیا میں نبوت ورسالت کا سلسلہ برابر قائم رہا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ختم فرمادیا۔ سورۃ مومنون میں ہے: ﴿ ثم أرسلنا رسلنا تترى﴾ [سورہ مومنون:۴۴] ''پھر بھیجے ہم نے اپنے پیغمبر پے درپے'' اور سورۃ احزاب میں ہے: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين﴾ [سورہ احزاب:۴۰] ''محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔

آنحضور ﷺ کے ختم النبیین ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب دنیا میں بے رواہ روی اور وحشت وبربریت کا دور

آ ہی نہیں سکتا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ پر اللہ نے ایک ایسی آخری کتاب نازل فرمادی جو اس کے بعد کی پیدا ہونے والی تمام گمراہیوں اور ضلالتوں کا قلع قمع کرنے کے لیے کافی ہے اب اللہ کی ہدایتوں کو عام کرنے کے لیے دنیا میں نئے رسولوں اور نبیوں کے آنے کی ضرورت نہیں ہے صرف یہی ایک کتاب اور اس کے عاملین وحاملین دنیا کی ہر گمراہی وضلالت کو فنا کے گھاٹ اتانے کے لیے کافی ہیں اور قیامت تک کے لیے حق اسی میں محصور ہوکر رہ گیا ہے۔ ﴿قل جاء الحق وزهق الباطل إن الباطل كان زهوقا﴾ [سورہ بنی اسرائیل:۸۱] ''اور آپ کہہ دیجئے کہ حق آیا اور باطل گیا گذرا ہوا واقعی باطل چیز تو یونہی آتی جاتی رہتی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ کی ہدایت آجانے کے بعد نہ اگلے انبیاء کے دین کی ضرورت باقی رہی نہ آئندہ کسی نبی کے آنے کی، اسی لیے قرآن نے صفائی کے ساتھ کہہ دیا کہ: ﴿يريدون ليطفؤا نور الله بأفواههم والله متم نوره ولو كره الكافرون﴾ [سورہ صف:۸] ''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی دین اسلام) کو اپنے منہ سے (پھونک مارکر) بجھادیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کمال تک پہونچا کر رہے گا گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں۔ اس کے بعد ہے: ﴿هوالذى أرسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون﴾ [سورہ توبہ:۳۳] ''وہ اللہ ایسا ہے جس نے (اس اتمام نور کے لیے) اپنے رسول کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کردے گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔''

مذکورہ بالا ہر دو آیتیں انبیاء سابقین کے دین کے نسخ کی دلیل ہیں کیونکہ اللہ جل شانہ جب دین اسلام کے غلبہ کی بشارت دیتا ہے تو اس کے ہوتے کسی مغلوب دین کی ضرورت کیا ہے؟ پھر اسی کے ساتھ ساتھ قرآن نے یہ حکم بھی سنادیا کہ: ﴿ان الدين عند الله الإسلام﴾ [سورہ آل عمران: ۱۹] ''بلا شبہ دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔'' دوسری جگہ ہے: ﴿ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه وهو فى الآخرة من الخاسرين﴾ [سورہ آل عمران: ۸۵] ''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ اس سے مقبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔''

گویا خدا نے اس بات پر مہر تصدیق ثبت کردی کہ اسلام کے بعد نہ عیسائیت کی ضرورت ہے اور نہ موسائیت کی اور نہ کسی اور دین کی، اس روشن اور واضح ہدایت کے آجانے کے بعد کوئی شخص اگر کسی اور دین کی طرف مائل ہوگا تو وہ خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہوگا اور اس کی کوئی عملی کوشش عنداللہ بارآور نہ ہوگی بلکہ روز جزاء وہ خسران میں رہے گا۔

(صوت الجامعہ، مئی ۱۹۷۳ء)

☆☆☆

حقوق انسانی کا بین الاقوامی منشور
ایک جائزہ

مولانا ابوالقاسم فاروقی

گذشتہ ۱۰ر دسمبر کو پوری دنیا میں یوم حقوق انسانی منایا گیا، یہی وہ تاریخ تھی جب اقوام متحدہ نے ۱۹۴۸ء میں حقوق انسانی کے منشور کا اعلان کیا، اس کے ساتھ ہی تحفظ انسانیت اور حقوق انسانی کے چرچے عام ہونے لگے، صدیوں سے جن حقوق پر پہرہ بٹھا دیا گیا تھا، زبان بندی کا دستور اس قدر سخت تھا کہ نگاہیں اٹھا کر چلنا بھی جرم تھا، مغرب تو صدیوں سے اس زبوں حالی میں گرفتار تھا۔ پوری دنیا کے ممالک نے اس منشور کا گرم جوشی سے استقبال کیا، ایسا محسوس ہوا کہ اعلان کے ساتھ غلامی کی بیڑیاں کٹ گئیں، اب ہر شخص آزادی کی فضا میں سانس لے گا، اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کر سکے گا، اپنے نظریات کی اشاعت بلا روک ٹوک کر سکے گا، کچلی ہوئی پسی ہوئی عورتیں تحقیر کی نظروں سے نہیں دیکھی جائیں گی، ملکوں کی محاذ آرائیوں کے درمیان اقوام متحدہ دیوار بن کر کھڑا ہو جائے گا۔

اس اعلان کو ساٹھ سال گذر چکے ہیں، اس درمیان حقوق انسان کے تحفظ کا کارواں شاہراہ عمل پر رواں دواں ہے، حقوق انسان کے چرچے گلی کوچوں میں عام ہو چکے ہیں، پوری دنیا میں سرکاری اور غیر سرکاری اداروں اور تنظیموں کا جال بچھ گیا ہے، خود اقوام متحدہ کے تحقیقاتی کمیشن مسلسل کام کر رہے ہیں، اور وقتاً فوقتاً حسب ضرورت حقوق سے متعلق مختلف موضوعات پر کانفرنسیں، سیمینار اور ورکشاپ منعقد کئے جاتے ہیں، حقوق انسانی کی پائمالی کے خلاف ذرائع ابلاغ کا کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے، جس ملک میں حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے، اس کا باقاعدہ مقاطعہ کیا جاتا ہے، اس پر معاشی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں، حقوق انسانی سے متعلق اقوام متحدہ اور اس کے ممبران کی کوششوں کے بہت سے مثبت اور مفید نتائج برآمد ہوئے۔

(۱) پوری دنیا کے عوام میں یہ احساس جاگ اٹھا کہ ہم آزاد ہیں اور ہمارے بھی کچھ حقوق ہیں، جو ہمیں ملنا چاہئے، عمل کے ہر شعبہ میں حصول حق کے لیے یونین اور تنظیمیں قائم ہوئیں جو لڑ جھگڑ کر اپنے مطالبات کو منواتی ہیں۔

(۲) زبانوں پر لگے ہوئے تالے کھل گئے، تحریر و تقریر کی لامحدود آزادی مل گئی، آپ ہر مسئلہ پر اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں اور حکومت جمہوری ہو تو کیا کہنا نہ صرف حکومت اور شخصیات، مذاہب کو تنقید کا نشانہ بنا سکتے ہیں، بلکہ اپنی دلخراش اور دل آزار باتوں سے کلیجہ چھلنی کر سکتے ہیں، آپ کو کوئی روکنے والا نہیں؟ روکنے کا عمل انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوگی۔

(۳) عورتوں کو مردوں کے مساوی درجہ مل گیا، وہ ہر وہ کام کرنے کے لیے آزاد ہیں جو مرد کر سکتا ہے، نچلے طبقوں کی عورتوں میں حصول تعلیم کا شوق جاگا، چونکہ حقوق کی پائمالی سے متعلق زیادہ تر مسائل عورتوں ہی کے ہوتے ہیں، اس لیے

آزادیٔ نسواں کی طرف اقوام متحدہ کی خصوصی توجہ ہوئی اور انہیں ترقی کی اس منزل تک پہنچا دیا جو پوری تاریخ میں انہیں کبھی نہیں ملی تھی، اگرچہ اس ترقی نے انہیں فائدہ کم پہنچایا نقصان زیادہ۔

(۴) خواتین کی تعلیمی ترقی کی رفتار تیز ہوئی، بہت سے ایشیائی ممالک میں عورتوں کی حالت انتہائی خستہ تھی، خواندگی کی شرح صفر تھی، انہیں زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے اقوام متحدہ کی کوششیں قابل قدر ہیں۔

(۵) ناخواندگی اور جہالت کی وجہ سے نچلے طبقہ کی عورتیں اصول صحت سے بالکل نابلد تھیں، اسی وجہ سے زچگی اور دیگر امراض میں ان کی اموات کی شرح بھی زیادہ تھی، پس ماندہ سماج میں اصول صحت سے متعارف کرانے اور خطرناک امراض خصوصا وبائی امراض کے خاتمہ میں اس منشور نے اہم کردار ادا کیا۔

(۶) جرائم پیشہ افراد کا نٹ ورک پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے، ان کے شکار لڑکیاں اور کم سن بچے ہیں، جن کا جنسی استحصال اور خرید وفروخت ایک عالم گیر مسئلہ بن چکا تھا، اقوام متحدہ نے اس پر پابندی عائد کی اور اسے بین الاقوامی جرائم میں شمار کیا، ایسا نہیں ہے کہ یہ نٹ ورک مکمل طور سے نیست ونابود ہو گیا ہو، لیکن بہر حال لڑکیوں اور بچوں کی سپلائی اور ان کی خرید وفروخت میں کمی ضرور آئی۔

(۷) عورتوں کو انسانوں سے الگ ایک ادنی درجے کی مخلوق سمجھا جاتا رہا ہے، اسلام نے اسے جو عزت وتکریم دی، ایسی نہ تو دنیا کے کسی مذہب اور نہ کسی معاشرہ نے دی، اقوام متحدہ نے یہ ضرور کوشش کی کہ بازار میں وہ قابل فروخت نہیں رہے وہ بھی مردوں کی طرح آزاد رہے، یہ دوسری بات ہے کہ اسے اس قدر آزادی دے دی گئی کہ وہ اپنی فطری شناخت کھو بیٹھی۔

(۸) عام طور پر ایشیائی ممالک میں ایک ہی منصب پر فائز عورتوں اور مردوں کی تنخواہوں میں تفریق کی جاتی ہے، اقوام متحدہ نے یہ کوشش کی کہ مساوی کام کا مساوی معاوضہ دیا جائے، تاہم یہ تفریق ابھی بھی باقی ہے، اس کے ساتھ ہی اقوام متحدہ نے ملازم پیشہ عورتوں کو دوران حمل حق رخصت کی پرزور وکالت کی۔

(۹) لڑکیوں کو پیدائش سے پہلے ختم کردینے کے خلاف زبردست مہم چلائی گئی۔

حقوق انسانی کا یہ ظاہری چہرہ تھا، جو بڑا ہی دیدہ زیب اور خوش نما نظر آتا ہے، اس کی ظاہری تابندگی اور چمک دیکھ کر نگاہیں چکا چوند ہو جاتی ہیں، ذرائع ابلاغ اس چہرے کے حسن کی شان میں مسلسل قصیدہ خوانی کررہے ہیں اور مغرب اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے اس طرح ملا رہا ہے کہ سمجھ دار اور تعلیم یافتہ لوگ گرفتار عشق ہوجاتے جارہے ہیں، دوسروں کی بات چھوڑیے مسلمان جن کے پاس ایسا قابل فخر نظام ہے جس کا مقابلہ نہ تو اقوام متحدہ کا منشور اور نہ امریکہ اور مغرب کی کھوکھلی اور کرم خوردہ تہذیب کرسکتی ہے، وہ بھی اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

کسی بھی عمل کی مقصدیت اور افادیت ہی اس کی قدر وقیمت کی تعیین کرتی ہے، ان حقوق انسانی کے خفیہ مقاصد سے اگر پردہ ہٹائیں تو ایسا ہولناک اور گھناؤنا چہرہ برآمد ہوگا جسے دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جائیں، حقیقت یہ ہے کہ حقوق انسانی کا یہ

منشور ایک ایسا ہتھیار ہے جسے امریکہ اور یورپ نے پوری دنیا پر اپنی بالا دستی کے لیے مسلسل ساٹھ سال سے استعمال کر رہی ہے اور آج وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہیں، عالم اسلام انہیں سجدے کر رہا ہے، سرکش سے سرکش ممالک بھی ان کے تلوے چاٹنے پر مجبور ہیں۔

حقوق انسانی کے اس منشور نے انسانیت کا تحفظ کس قدر کیا ہے، اس پر روشنی ڈالنے سے قبل ایک نظر دنیا کی سب سے بڑی تنظیم اور ادارہ اقوام متحدہ کے قیام اور اس کے مقاصد کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

دوسری عالمی جنگ (۴۵ - ۱۹۳۹) سے قبل مغرب کی دو عظیم سلطنتوں فرانس اور برطانیہ نے پوری دنیا میں اپنی نو آبادیات کا سلسلہ دراز کر رکھا تھا، دنیا کے بیشتر ممالک یا تو ان کے غلام تھے یا ان کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی تھے، لیکن دوسری جنگ عظیم کے دوران ہی آزادی کے شعور اور جوش نے ظلم واستبداد کی بیڑیوں کو ایک جھٹکے میں توڑ دیا، ایک طرف کروڑوں انسان کی ہلاکت اور جنگ کی عطا کردہ معاشی بدحالی نے مغربی ممالک کی کمر توڑ دی تھی، دوسری طرف غلام ممالک کے باغیانہ جذبوں نے انہیں بوکھلا دیا اور یہ حقیقت کھل کر ان کے سامنے آگئی کہ صدی بدل چکی ہے، انقلاب آچکا ہے، اب مشین گنوں کی گولیوں کی بوچھار اور سنگینوں کی نوک پر دنیا پر اپنا تسلط جمانا اور انہیں شکنجوں میں کس لینا ناممکن ہے، اب دنیا کو غلام بنانا ہے تو بہت ہی مضبوط اور باریک جال بننا ہوگا، ایسا جال جس سے گلوخلاصی ممکن نہ ہو اور ہماری سیاسی، ثقافتی اور معاشی بالا دستی قائم رہیں۔

پہلی عالمی جنگ کے بعد مغربی ممالک کو جنگ کے شعلوں سے بچانے کے لیے لیگ آف نیشنز قائم ہوئی، لیکن یہ انجمن دوسری جنگ سے نہ بچا سکی، اور دوسری عالمی جنگ برپا ہو کر رہی، جس کے شعلوں نے چند سالوں میں کروڑوں انسانوں کو نگل لیا۔

ان حالات میں بھی امریکہ اور اس کے حلیف ممالک کے حکمراں اپنی بالا دستی کو برقرار رکھنے کے لیے نئی راہوں کی جستجو میں لگے رہے، بالآخر انہوں نے دوران جنگ میں ہی لیگ آف نیشنز کو نیا روپ دیا، اور ۲۴/ جون ۱۹۴۶ء میں اقوام متحدہ کی شکل میں ایک ادارہ وجود میں آیا، جس کا بنیادی مقصد تحفظ انسانیت بتلایا گیا، لیکن حقیقت میں یہ ادارہ امریکہ اور مغرب کی بالا دستی کی خشت اول تھی، جیسا کہ اقوام متحدہ کے سابق جنرل سکریٹری ''پطرس غالی'' اپنی کتاب ''عالمی حکومت'' میں رقم طراز ہیں: ''اقوام متحدہ کا ادارہ، ایک طرح سے عالمی نظام حکومت کے قیام میں خشت اول کی حیثیت رکھتا ہے''۔ (مغربی میڈیا ص: ۸۵)

اقوام متحدہ کا قیام ایک ایسے نظام کی طرف بڑھتا ہوا قدم تھا، جس میں صرف ایک ثقافت ہوگی، ایک طرح کی معیشت اور ایک رنگ میں رنگی ہوئی معاشرت ہوگی، جس میں نہ کوئی قومی تشخص ہوگا، نہ وطنیت اور قومیت کا تعصب ہوگا، مذہب کی بندشیں نہ ہوں گی، اللہ اور آخرت کا کوئی تصور نہ ہوگا، ہر شخص آزاد ہوگا اور مادیت کے رنگ میں شرابور ہوگا، ایک ایسی عالمی حکومت منظر عام پر آئے گی جس کی باگ ڈور چند ہاتھوں میں ہوگی، سرحدی حد بندیاں صرف نام کی ہوں گی۔

اقوام متحدہ کے ذریعہ عالمی حکومت کا خواب ساٹھ فیصد شرمندۂ تعبیر ہو چکا ہے، اس کے مقاصد اور حقائق ڈھکے چھپے

نہیں رہ گئے، اقوام متحدہ کا ہیڈ کوارٹر امریکہ میں قائم کیا گیا، تا کہ قیادت کی کنجی اس کے پاس رہے، اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے مستقل ممبران کو حق تنسیخ (ویٹو پاور) عطا کیا گیا تا کہ وہ اپنے مفادات کی خاطر کسی بھی قرارداد کو مسترد کرسکیں، چنانچہ امریکہ نے ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۰ء کے درمیان ساٹھ بار حقوق تنسیخ کا استعمال کر کے اپنے مفادات کا تحفظ کیا، اقوام متحدہ آج تک کسی بھی متنازع اور بڑے مسئلہ کو سلجھا نہیں سکا ہے، اس لیے کہ ان کا حل مستقل ممبران کے مفاد کے خلاف تھا۔

اس عالم کاری کے دوسرے مرحلے میں اقوام متحدہ نے جو سب سے اہم قدم اٹھایا وہ تھا بنیادی حقوق کے منشور کا اعلان ، یہ اعلان ۱۰ر دسمبر ۱۹۴۸ء میں کیا گیا، اقوام متحدہ نے دنیا کے تمام ممبران ممالک سے اپیل کی کہ وہ حقوق انسانی کے اس منشور کو اپنے اپنے ملکوں میں نافذ کریں تا کہ پوری دنیا میں مساوات کا بول بالا ہو اور وہ امن کا گہوارہ بن جائے، انسان آزاد پیدا ہوا ہے، آزادی اس کا حق ہے، ہر ممبر ملک کو چاہئے کہ وہ اپنے شہریوں کی آزادی کا تحفظ کرے، حقوق انسانی کا یہ منشور تیس دفعات پر مشتمل ہے جس میں سب سے اہم آزادی رائے، آزادی عمل، آزادی نسواں اور عدل وانصاف ہے۔

آج جب یہ نظام حکومت اپنی منزل کے قریب پہنچ رہا ہے، حقوق انسانی کے اس منشور کی حقیقت ہماری نظروں کے سامنے ہے، یہ ایک ایسا شجر ہے جس کی جڑیں صرف خلاؤں میں ہے، ایک دلفریب آواز ہے جس کے سحر میں دنیا گرفتار ہے، ایک کھلونا ہے جسے مغرب نے اپنے مقاصد سے مخفی رکھنے کے لیے ایجاد کیا ہے، ایک پردہ ہے جس کے آڑ میں امریکہ اور اس کے حلیف ممالک مشرقی ممالک پر شکنجہ کستے جا رہے ہیں۔

اقوام متحدہ نے منشور کا اعلان تو کر دیا، لیکن اس نے کسی قوت نافذہ کی نشان دہی نہیں کی، جو اسے عملی جامہ پہنائے، ایسے بے بس، مجبور اور لاچار قانون کی حیثیت کیا ہوگی، جو سڑک پر پڑا ہوا اور اسے کوئی اٹھانے والا نہ ہو، یہ ایک ادھورا اور نامکمل منشور ہے جو بین الاقوامی قانون کی بالکل صلاحیت نہیں رکھتا ہے، بنیادی حقوق وہ ہیں جو پیدائش ہی سے انسان کو مل جائیں، منشور کے قوانین حکمرانوں کے دست نگر ہیں، کسی ملک کا ماحول اگر سازگار ہے یا نظام حکومت جمہوری تو ان حقوق کو پنپنے کا موقع ملے گا، بصورت دیگر انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ عوام حقوق انسانی سے اسی قدر مستفید ہو سکتے ہیں، جس قدر حکومت اجازت دے، تقریباً پون صدی تک روسی عوام بنیادی حقوق سے محروم رہے، اقوام متحدہ کوئی احتجاج نہ کر سکا، چین نے کسی کو موقع ہی نہیں دیا کہ اس کے ملک میں انسانی حقوق کی حیثیت کا مشاہدہ کرے، امریکہ نے مہر سکوت لگا لی ہے، ہندوستان میں ایمرجنسی کے دوران بنیادی حقوق سلب کر لیے گئے، کوئی کچھ نہ بول سکا۔

حقوق انسان کا یہ منشور دراصل ایسا حربہ ہے جس کے ذریعہ عالم کاری کے مشعل بردار دوسری قوموں کی ثقافت کو ختم کرنا چاہتے ہیں، سیاسی طور پر پوری دنیا کو بے دست وپا کرنا چاہتے ہیں، ان کے اقتصاد اور معیشت کا جنازہ نکالنا چاہتے ہیں، ہر وہ حق جو مغربی ثقافت سے ہم آہنگ ہے وہ انسانی حق ہے اور جو میل نہ کھائے وہ انسانی حق کی خلاف ورزی ہے۔

ان حقوق کو آلہ کار بنا کر امریکہ پوری دنیا میں ایسا ہولناک کھیل کھیل رہا ہے، جس سے انسانیت چیخ رہی ہے، کراہ رہی

ہے، لیکن اس چیخ اور کراہ کو درد کا درماں بتلا رہا ہے۔

تحفظ انسانیت کے نام پر امریکہ انسانوں کے ساتھ جو سلوک کر رہا ہے وہ ایک لمبی داستان ہے، اپنے مفادات کے لیے قول وعمل کے تضادات اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتے ہیں، کانگو یونان، تیمور (ملیشیا)، عراق، ورلڈ ٹریڈ سنٹر افغانستان میں درندگی اور بربریت کا وہ ننگا رقص کیا کہ انسانیت شرمسار ہوگئی، لیکن امریکہ یہی دہائی دیتا رہا کہ وہ یہ سب صرف امن اور انسانیت کے تحفظ کے لیے کر رہا ہے۔

حقوق انسان کے اس منشور میں فرد کو لامحدود آزادی دی گئی، تا کہ عالم کاری کے نظام حکوم کو تقویت مل سکے، معیشت کے میدان میں کوئی اس کے پروں کو نہیں کتر سکتا ہے، نتیجتاً سرمایہ داری کا نظام ترقی اور عروج کی راہیں دوبارہ برق رفتاری سے طے کر رہا ہے، امیروں کے خزانوں میں اضافہ ہو رہا ہے، اور غریب مزید غریب ہو رہے ہیں، اس لامحدود آزادی نے معیشت کا نظام چند سرمایہ داروں کے ہاتھوں تما دیا ہے، بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل رہی ہے، وہ وقت دور نہیں ہے جب دولت کا مرکز ایک ہوگا اور پوری دنیا کے عوام دست بستہ کھڑے ہوں گے۔

تحریر وتقریر کی لامحدود آزادی نے انسانی معاشروں میں بے اعتمادی، کشاکش اور باہمی دل آزاری کی فضا پیدا کر دی ہے، پروپیگنڈہ کے ذرائع پر اگر آپ کا قبضہ ہے تو جس قوم اور جس مذہب کو نشانہ بنایئے کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں ہے، ڈنمارک کے کارٹونسٹ نے پیغمبر اسلام ﷺ کا مضحکہ خیز کارٹون بنا کر پوری دنیا کے مسلمانوں کی دل آزاری کی، لیکن وہاں کی حکومت نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ یہ اس کا انسانی حق ہے، سلمان رشدی، ابن الوراق، اعیان حرثی، تسلیمہ نسرین، پروین توگڑیا، نریندر مودی مسلمانوں کو جا ہے جس قدر گالیاں دیں، دھمکیاں دیں، ان پر الزامات کی بارش کریں، ان کا قتل عام کریں، کوئی پابندی اس لیے نہیں لگائی جاسکتی ہے کہ یہ ان کا قانونی حق ہے۔

اقوام متحدہ کے منشور میں مذکور دفعات میں سب سے زیادہ زور آزادی نسواں پر دیا گیا ہے، جنسیت کی بنیاد پر مرد وزن میں عدم تفریق کی اپیل کی گئی اور یہ کہا گیا کہ جو حقوق مردوں کو حاصل ہیں بعینہ وہی حقوق عورتوں کو بھی حاصل ہونا چاہئے، اس نے سیاست، ثقافت اور معاش کے میدان میں عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ لا کھڑا کرنے کے لیے اپنی پوری قوت صرف کر دی، مغربی معاشرہ انتشار اور اخلاقی زوال کی آخری حد تک پہنچ چکا ہے، خاندان کی تعمیر وتشکیل کا تصور واہمہ بنتا جا رہا ہے، لیکن مغرب اس زوال کو سرمایہ افتخار سمجھے ہوئے ہے، اخلاقی اقدار سے عاری اس تہذیب کو وہ پوری دنیا پر مسلط کرنا چاہتا ہے، اقوام متحدہ کا منشور مغربی دساتیر سے ماخوذ ہے، یہی وجہ ہے کہ مغربی تہذیب کی بالادستی قائم رکھنے کے لیے عورت کو آلۂ کار بنایا گیا، کیونکہ صالح معاشرہ اور اچھے خاندان کی تشکیل میں مردوں سے بڑھ کر عورتوں کا کردار ہوتا ہے، اگر ان سے یہ کردار چھین لیا جائے تو کامیابی یقینی ہے اور مغرب کے یہ منصوبے کافی حد تک تکمیل کو پہنچ چکے ہیں۔ اقوام متحدہ نے بڑی ہنرمندی اور باریکی سے مرحلہ وار اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا۔

یہ بات مسلم ہے کہ ان کے مقاصد اور ریشہ دوانیوں میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلامی اصول تھے، کیونکہ وہ فطری ہیں اور اسی خلاق دو عالم کے بنائے ہوئے ہیں جس نے ساری مخلوق کو پیدا کیا، اس کے یہاں نہ بے اعتدالی ہے اور نہ افراط وتفریط، اس نے مرد وزن ہر ایک کو وہی حق دیا جو اس کی فطرت سے ہم آہنگ ہے، اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے مغرب نے سب سے پہلے اسلامی عورت پر حملہ کیا، کتابوں، مقالوں، رسائل اخبارات، دانش وروں کے بیانات اور ذرائع ابلاغ کو صرف اس مہم پر لگا دیا کہ وہ پورے زور وشور سے پروپیگنڈے کریں کہ اسلام نے عورتوں پر بڑا ظلم کیا، اسے حقوق سے محروم کردیا، حجاب مسلط کرکے اسے گھر کی چہار دیواری میں مقید کردیا، اس نے عورتوں کو مردوں کا غلام بنا دیا، آج کی عورت اگر آزاد رہنا چاہتی ہے تو مغربی ثقافت کی آغوش میں آجائے اور حقیقی زندگی کا لطف اٹھائے بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست ۔

اقوام متحدہ نے عورت کو متاع کوچہ وبازار بنانے کے لیے کمزور مسلم ممالک پر دباؤ ڈالا کہ وہ حقوق انسانی اور خصوصا مرد وزن کو مساوی درجہ دینے کے لیے اپنے یہاں قوانین بنائیں اور اس سے متعلق عالمی معاہدوں پر دستخط کریں اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو ان پر حقوق انسانی کی خلاف ورزی کا جرم عائد کیا جائے گا اور اقتصادی پابندی لگادی جائے گی۔

اقوام متحدہ نے مسلم معاشروں کو تباہ برباد کرنے کے لیے پوری دنیا میں کانفرنسوں کا ایک سلسلہ شروع کیا جس میں عورتوں کے حقوق سے متعلق قرار دادیں، قوانین اور طریقۂ کار کا تعین کیا جاتا ہے، اقوام متحدہ کی نظر میں آزادی نسواں کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے عورتوں سے متعلق بارہ سے زیادہ مستقل ادارے قائم کردیے اور ان کی ذیلی کمیٹیاں اور بورڈ بنائے، ان میں سے چند اہم ادارے یہ ہیں:

(۱) کونسل برائے خواتین (۲) عالمی ریسرچ اینڈ ٹریننگ سینٹر برائے ترقی خواتین (۳) اقوام متحدہ ترقی فنڈ برائے خواتین (۴) تنظیم اقوام متحدہ برائے علم وتربیت اور ثقافت (یونسکو) ۱۹۴۵ء سے تا حال مختلف ممالک میں بیسیوں کانفرسیں منعقد ہوئیں، مثلا تہران میں بعنوان ''انسانی حقوق'' ۱۹۶۸ء، ''عورت مساوات اور امن'' ۱۹۷۵ء میکسیکو، ''عورت کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کا خاتمہ'' ۱۹۷۹ء زیر اہتمام جنرل اسمبلی اقوام متحدہ، عورت سے متعلق کانفرنس ۱۹۸۰ء کوپن ہیگن (ڈنمارک) نیروبی کانفرنس ۱۹۸۵ء بعنوان ''نیروبی کی مجوزہ حکمت عملی برائے ترقی خواتین''، بکین کانفرنس ۱۹۹۵ء، قاہرہ کانفرنس ۱۹۹۴ء۔

ان کانفرنسوں میں جو قرار دادیں پاس کی گئیں، ذرا اس کی نوعیت بھی ملاحظہ کرلیں:

(۱) جنسی تعلقات میں آزادی عورت کا بنیادی حق ہے (۲) جنسی بیماریوں کے علاج کے لیے سہولیات مہیا کی جائے (۳) مانع حمل وسائل کی بھر پور تشہیر کی جائے تاکہ نوجوان نسل جنسی تلذذ سے پوری طرح مستفید ہو (۴) خاندانی منصوبہ بندی کے نظریہ کو فروغ دیا جائے (۵) باہمی رضامندی سے زنا کاری مردوں اور عورتوں کا حق ہے (۶) ہم جنس پرستی کو قانونی شکل دی جائے، ہم جنس جوڑوں کو زوجین تسلیم کیا جائے (۷) کم عمری کی شادی کو خلاف قانون سمجھا جائے (۸) عورتوں اور بچوں پر

سے مردوں کی قوامیت کو مسترد کیا جائے (۹) نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کو جنسی عمل کی ترغیب اور تربیت دی جائے (۱۰) مرد وزن میں مکمل مساوات ہو اور ہر قسم کے فطری حق کو ختم کیا جائے۔

اباحیت اور عیاشی کی راہوں کو مزید کشادہ کرنے کے لیے مختلف ممالک میں تعلیمی بیداری سے متعلق کانفرنسیں منعقد کی گئیں جن میں خاص طور اس بات پر زور دیا گیا کہ پوری دنیا میں مخلوط تعلیم کو فروغ دیا جائے، نصاب تعلیم میں مساوات کو ملحوظ رکھا جائے، بچوں اور بچیوں کو ابتداء ہی سے جنسی تعلیم وتربیت دی جائے، غور فرمائیں کہ اس قسم کے تعلیمی نظام سے کیسا معاشرہ بنے گا۔

اقوام متحدہ کی یہ کوششیں رنگ لاچکی ہیں، پوری دنیا میں بدکاری کا سیلاب امنڈ چکا ہے، بغیر شادی کے عورت اور مرد کے جنسی عمل کو قانون کا درجہ مل چکا ہے، اغلام بازی اور خواتین کی ہم جنس پرستی کو تسلیم کیا جاچکا ہے، مغرب میں شادی سے قبل جنسی عمل کا تناسب نوے فیصدی پہنچ چکا ہے، مغربی ثقافت ایسا قہر ڈھارہی ہے کہ اس پر کنٹرول ناممکن ہوگیا ہے، اسقاط حمل کے رجحان میں زبردست اضافہ ہوا ہے، خواتین کی عزت وتکریم ماضی کی بات ہوگئی ہے، عورت ایسا کھلونا بن چکی ہے جسے صرف جسمانی تلذذ، معاشی ترقی اور تشہیر کا ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے، وہ اپنا وقار کھو چکی ہے، مردوں کی برابری کے جنون میں وہ نہ گھر کی رہی نہ گھاٹ کی۔

فطرت کے خلاف جو بھی عمل ہوگا اس کا نتیجہ بربادی کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا، آج اس معاشرہ میں رشتوں ناتوں کا وجود نہیں ہے، نہ کوئی خاندان ہے نہ ہمدرد، بوڑھے مردوں اور عورتوں کا ٹھکانہ صرف اولڈ ہاؤس ہے، ایڈز کی شکل میں قدرت خداوندی نے خلاف فطرت عمل کرنے والوں کو وارننگ دے دی ہے، مغرب نے جس مساوات کا نعرہ لگایا ہے وہ بذات خود خلاف فطرت اور ظلم ہے، مرد اور عورت ناطق ہونے کے اعتبار سے ایک جنس سے تعلق ضرور رکھتے ہیں، لیکن مزاج، جبلت، جسمانی ساخت، دل ودماغ اور فطرت کے اعتبار سے دونوں مختلف ہیں، اس لیے اس سے مردوں کی مشقت کروانا ایسا ہی ہے جیسے مردوں کو بچہ جننے پر مجبور کیا جائے۔

اقوام متحدہ نے عدل وانصاف کا اعلان تو ضرور کیا، لیکن اس کا وجود منشور ہی تک محدود ہے، امریکہ اور اس کے حلیف ممالک کی نگاہ کرم جس پر ہے وہ عدل وانصاف کا مستحق ہے، لیکن جس پر عتاب کا نزول ہوا وہ مظلوم ہوتے ہوئے بھی ظالم ٹھہرا، دہشت گرد بنا، تباہی اور بربادی کا مستحق ہوا، فلسطینیوں کی ہولناک چیخیں انصاف کی وادیوں میں گم ہیں، افغانیوں، عراقیوں کا خون فریاد رسی کررہا ہے، حقوق انسانی کے علم برداروں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگ رہی ہے، ظالم ہی انصاف کی کرسی پر بیٹھا ہے اور دھاڑ رہا ہے کہ دنیا والو ہم تو یہ خون کی ندیاں صرف تحفظ انسانیت کے لیے بہارہے ہیں، ہماری خون آشامی دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کے لیے ہے۔

جس عالمی نظام کی خاطر یہ دام فریب نصب کیا گیا ہے اس کے دو ستون ہیں، جمہوریت اور نام نہاد انسانیت، دونوں کے پس منظر میں الحاد، بے دینی، انکار خدا، اباحیت، انارکی اور فحاشیت پنہاں ہے۔ جمہوریت کے زیر سایہ ہر قسم کے استبداد، آمریت اور سامراجیت کو وسعت دی جارہی ہے، اور انسانیت کے تحفظ کے لیے آزادیٔ رائے، آزادی تحریر وتقریر، حریت ضمیر اور ترقی نسواں جیسی خوش نما اصطلاحات کے پردے میں انسان دشمنی، رنگ ونسل کی تفریق اور کمزور قوموں کے ساتھ وحشت وبربیت کا مظاہرہ کیا جارہا ہے، اگر انسانیت کا تحفظ کرنا ہے تو اعلی اقدار، اخلاقی روح اور مذہب کے سچے اصول کو لے کر چلنا ہوگا، فطرت سے بغاوت اور انسانی فلاح کو صرف اسی دنیا تک محدود رکھنا قہر الٰہی کو دعوت دینا ہے، مغرب نے فساد فی الارض کی تمام پہلوؤں کو یکجا کردیا ہے، اس کی غلط فکر، غلط سوچ اور غلط نظریے نے پوری دنیا کو فساد فی الارض کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے، اللہ کی عبادت سے انکار، انسانی سعی کو اسی دنیا تک محدود کردینا، تصور آخرت سے انکار، دنیا کی لذتوں اور آسائشوں میں گم ہوجانا، قتل وخونریزی، ظلم وتعدی، سیاسی، معاشی اور ثقافتی استحصال، انسانی حقوق کی پامالی، فحاشی، اباحیت، جنسی انارکی، دوسرے ممالک کی زمین اور ذرائع آمدنی پر غاصبانہ قبضہ یہ سب فساد فی الارض کے مظاہر ہیں اور یقیناً جو قوم اپنے باطل نظریات اور غلط اعمال کی وجہ سے فساد فی الارض کا موجب بنتی ہے وہ صفحۂ ہستی سے معدوم ہوجاتی ہے اور عبرت وموعظت کے لیے اس کے آثار ہی باقی رہ جاتے ہیں، انسانی تاریخ ہمیں یہی بتاتی ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿ظهر الفساد فى البر والبحر بما كسبت أيدي الناس ليذيقهم بعض الذي عملوا لعلهم يرجعون، قل سيروا فى الأرض فانظروا كيف كان عاقبة الذين من قبل كان أكثرهم مشركين﴾ (الروم: ۳۰، ۴۱، ۴۲)

''جن لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے خشکی اور تری میں فساد پھیلا ہے، اللہ انہیں یہیں بعض اعمال کی سزا دے گا، شاید کہ وہ حق کی طرف رجوع کریں، اے پیغمبر انہیں کہو ذرا زمین میں ان گزشتہ قوموں کے کھنڈرات دیکھیں جنہیں شرک ہی کی وجہ سے عذاب دیا گیا تھا''۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا
دیار مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو زر کم عیار ہوگا

☆☆☆

مذاہب وادیان

آریہ قوم

(قسط:۳) مولانا محمد مستقیم سلفی

شیو (مہادیو) کے پوجا کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ مہادیو کا لنگ یعنی آلت کی صورت بنا کر اس کو جلہری میں رکھ کر پوجتے ہیں اور جلہری فرج کی طرح ہوتی ہے، اور مہادیو کے لنگ پر جل دھارا (یعنی پانی یا پانی اور دودھ ملا کر اس کی دھار) بہت دیر تک دیتے ہیں اور مرد وعورتیں لڑکے ولڑکیاں سب جا کر لنگ اور جلہری کی درشن (یعنی زیارت) کرتے ہیں اور لنگ کی پوجا کا سبب کئی ایک ویدوں میں لکھے گئے ہیں، ہندوؤں کی کتاب ''شب پوران'' میں یوں لکھا ہے کہ ایک بار پاربتی مہادیو کی بیوی نے جماع کی خواہش ظاہر کی، پہلے مہادیو نے انکار کیا پھر ان کے اصرار پر راضی ہوگئے، اور جماع کرتے وقت اپنے آلت کو اس قدر دراز کیا کہ پاربتی بہت تنگ اور بے قرار ہو کر وشنو بھگوان کے آگے فریاد اور التجا کی، وشنو بھگوان نے مہادیو کا لنگ چکر سے کاٹ دیا، مہادیو بہت خفا ہوا، وشنو نے مہادیو کے آگے بہت خوشامد اور عاجزی کرکے اپنے آپ کو بچایا، اس وقت سے لنگ کی پوجا شروع ہوئی۔

اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ ایک دفعہ بعض عابدوں نے ''سنیت'' میں تپ (یعنی زہد وعبادت) کیا، مہادیو نے ان کے حسن عقیدت کی آزمائش کے لیے ان کی عورتوں میں جا کر اپنا لنگ ننگا کردیا، جس پر ان برہمنوں نے بددعا کی، جس کی بنا پر مہادیو کا لنگ بدن سے جھڑ گیا، جب مہادیو اپنی اصلی صورت میں آیا، برہمنوں نے مہادیو کی بڑی تعریف کی، مہادیو خوش ہو کر لنگ کی پوجا کا حکم دیا تب سے لنگ کی پوجا شروع ہوئی۔(۱)

تریمورتی:

برہما، وشنو اور شیو کو سبھی ہندو آج تک بڑے دیوتا کی روپ میں مانتے ہیں اور ہر دیوتا کے پجاری اپنے دیوتا کو سب سے عظیم تصور کرتے ہیں، اس لیے آپسی جھگڑے کو مٹانے کے لیے تینوں دیوتاؤں کو متحد کرکے اسے تریمورتی کی شکل دے دی گئی ہے اور ان سب کو ایک ہی جسم واحد پر تین الگ الگ سر لگائے گئے ہیں اور مجسم ایشور سمجھ کر ہر عورت مرد بچہ بوڑھا پوجتا ہے اس سے اپنی مرادیں طلب کرتا ہے اور نذرونیاز چڑھاتا ہے۔(۲)

مذکورہ ان تین بڑے معبودوں کے علاوہ دیوتاؤں کی ایک لمبی فہرست ہے جن کو ایشور کا روپ مان کر آریہ لوگ پوجتے ہیں۔ چنانچہ ''رگ وید'' کے مفسر پنڈت شری رام شرما اس کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں جس کا عربی ترجمہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن صاحب اعظمی لکھتے ہیں کہ: أسماء الآلهة التى جاء ذكرها فى ريج فيد (رگ وید) فبلغ هؤلاء أكثر

(۱) تحفۃ الہند ص ۴۷، ۴۸۔ (۲) مذاہب عالم اور اسلام۔

من مائة وخمسين إلها ومن هؤلاء: (۱) اغنی: اله النار (۲) وایو: اله الهواء (۳) اندر: اله الرعد والبرق والسحاب (۴) ورن: اله السماء (۵) سوریا: اله الشمس (۶) اوشا: اله الصبح (۷) گیان: اله العلم (۸) کام دیو: اله الشهوات۔

یعنی ان معبودوں کے اسماء جن کا ذکر رگ وید میں کیا گیا ہے ڈیڑھ سو سے زیادہ ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) اگنی: آگ کا معبود (۲) وایو: ہوا کا معبود (۳) اندر: بدلی کڑک گرج بجلی کا معبود (۴) وَرُن: آسمان کا معبود (۵) سوریا: سورج کا معبود (۶) اوشا: صبح کا معبود (۷) گیان: علم کا معبود (۸) کام دیو: شہوات کا معبود، وغیرہ

ڈاکٹر صاحب اس کے بعد لکھتے ہیں کہ: ''وکل هؤلاء يقربون إلى الله كما هو حال الجاهلين قبل الاسلام' یعنی مذکورہ تمام معبودان باطل کے ذریعہ ہندو لوگ اللہ کا تقرب حاصل کرتے ہیں جیسا کہ قبل از اسلام دور جاہلیت کے لوگوں کی حالت تھی۔

ڈاکٹر صاحب کتاب ''رگ وید'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: هذه هي حقيقة ريج فيدا وهو أم الكتب الهندوسية، والهنادك يقدسون هذا الكتاب ويتغنون بأناشيده ويرتلونها فى الصلوات صباحا ومساء ويتبركون بتلاوتها فى حفلات زواجهم ويقرؤن أبياته على موتاهم عند تحريق جثتهم۔ (۱)

یعنی یہ رگ وید کی حقیقت ہے جو ہندو مذہب کی کتابوں میں ام الکتاب کی حیثیت رکھتی ہے اور ہندوؤں کے نزدیک بہت مقدس اور متبرک کتاب سمجھی جاتی ہے، اس کے اشلوک کی وہ لوگ صبح وشام عبادت کرتے وقت تلاوت کرتے ہیں اور اپنی شادیوں کی محفلوں میں اس کی تلاوت سے برکت حاصل کرتے ہیں اور اپنے مردوں کو جلاتے وقت اس کے ابیات کو پڑھتے ہیں۔

ہندوؤں کی مقدس کتابیں:

ہندو مذہب میں مذہبی کتابوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں ویدوں کا درجہ بہت بلند ہے، ویدوں کا مقصد لوگوں کو مذہبی عبادات اور رسوم کے طریقے سکھانا اور انھیں دیوی، دیوتاؤں کو خوش کرنے کے مختلف منتروں اور ٹونے ٹوٹکوں کی تعلیم دینا تھا، چنانچہ اس زمانے میں رشی منی لوگ بھجن گا گا کر دیوتاؤں کو خوش کرتے تھے، ان کو پنڈتوں اور عالموں نے ''رچا'' کا نام دیا ہے، بعد میں انھیں کو ویدوں کے پاٹھوں میں اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ (۲)

ویدوں کے بارے میں ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ چاروں وید (یعنی رگ وید، سام وید، یجر وید، اتھر وید) برھما کے چار منہ سے نکلے ہیں اور یہ وید کلام الٰہی ہیں اور باقی تمام شاستروں کو انھیں ویدوں سے نکلے ہوئے مانتے ہیں، چنانچہ برھما ان کے سب پیشواؤں کا پیشوا ہے، مہا بھارت کے پہلے باب میں لکھا ہے کہ برھما سارے دیوتاؤں کا استاد ہے، اور مہا دیو بھی اس سے پیدا ہوا۔ (۳)

(۱) دراسات فی الہندوسیۃ، ص: ۵۳۶۔ (۲) مذاہب عالم اور اسلام۔ (۳) تحفۃ الہند، ص: ۳۷ ملخصا۔

۱-رگ وید:

اس میں ایشور یہ گیان، آریوں کے قدیم مذہب، نیتی (اصول وضابطہ) اور معاشرت پر روشنی ڈالی گئی ہے، یہ کتاب دس اجزاء ۱۶۴/ابواب، ایک ہزار سترہ (۱۰۱۷) عناوین اور ۱۰۵۵۲، ابیات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب (رگ وید) اور کتابوں کے بنسبت ہندوں کے نزدیک سب سے زیادہ اہم سمجھی جاتی ہے، وہ اس کو ایک مقدس کتاب سمجھتے ہیں اور اس کے اشعار کو صبح وشام عبادت کرتے وقت تلاوت کرتے ہیں۔(۱)

۲-یجر وید:

یجر کا معنی ہے رسومات کا علم، یہ وید مکمل طور پر رگ وید سے ماخوذ ہے اور اسے قربانی کے موقع پر پڑھا جاتا ہے، یہ نثر میں ہے، اس میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ معبودوں سے قربت کیسے حاصل کی جاتی ہے، کچھ ہندؤوں نے اس کو مقدس کتاب ماننے سے انکار کیا ہے۔(۲)

۳-سام وید:

اس کے معنی امن وراحت کے ہیں، یہ کتاب اٹھارہ سودس (۱۸۱۰) اشعار پر مشتمل ہے، اس کتاب کے تمام اشعار سوائے پچھتر (۷۵) اشعار کے رگ وید سے لئے گئے ہیں، ان اشعار کو ہندو لوگ اپنے عبادات کے موقع پر گاتے ہیں، اور مصیبتوں کے وقت اس کو پڑھ کر اپنے معبودوں کو پکارتے ہیں، ہندو لوگ اس کتاب کو بہت عقیدت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔(۳) معلوم ہوتا ہے کہ گانے کی ابتداء سام وید سے ہوئی ہے۔(۴)

۴-اتھر وید:

اس کتاب میں چھ ہزار منتر یا مناجاتی گیت ہیں، تقریباً ایک ہزار دوسو منتر رگ وید سے ماخوذ ہیں، اس وید کا نصف حصہ نثر پر مشتمل ہے اور اس کا زیادہ تر حصہ جادو، ٹونے، ٹوٹکے، بھوت و پریت اور خیالی باتوں سے متعلق ہے، اور ان سب سے محفوظ رہنے کے لیے الگ الگ منتر اور دعائیں بنائی گئی ہیں۔ اتھر وید کا معنی ہے ''رشی اتھر و کی طرف سے دیا جانے والا علم، رگ وید کے بعد اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے اور اس میں دیوتاؤں کے لیے ادا کی جانے والی مقبول عبادتوں میں استعمال ہونے والی رسومات کا بھی ذکر ہے۔(۵)

نوٹ: ویدوں کا مطلب گیان یا آسمانی علوم بتایا جاتا ہے، رگ وید کی تصنیف کا زمانہ ۱۵۰۰ ق م سے ۱۰۰۰ ق م تک مانا جاتا ہے اور وید بعد میں ترتیب دیئے گئے۔

---

(۱) دراسات فی الهندوسية ومذاہب عالم اور اسلام۔
(۲) دراسات فی الهندوسية ص ۵۳۸، وتقابل ادیان۔
(۳) دراسات اليهودية ص: ۵۳۸، الديانات الوصفية ص: ۱۸۔
(۴) مذاہب عالم اور اسلام۔
(۵) تقابل ادیان، مذاہب عالم اور اسلام۔

مذکورہ چاروں وید یکساں طور پر مقدس اور ''شرتی'' (یعنی الہامی) میں شامل سمجھا جاتا ہے، لیکن مختلف بنیادوں پر انھیں مختلف قسموں میں بھی تقسیم کیا گیا ہے، ان میں دوطرح کی تقسیمیں سب سے زیادہ مشہور ہیں، ایک تقسیم جو زیادہ علمی دلچسپی کا باعث ہے وہ ہے جو وید کے مختلف حصوں کے زمانۂ تصنیف اور ان کے موضوع کی بنیاد پر کی گئی ہے، اس تقسیم کے بموجب وید کا قدیم ترین حصہ ''سمہتا'' کہلاتا ہے، جو قدیم آریائی دیوی و دیوتاؤں کی شان میں کہے گئے بھجنوں اور ان سے متعلق مناجاتی گیتوں کا مجموعہ ہے۔ اس کے بعد جو وید تصنیف ہوا وہ برہمن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، برہمن تصانیف اپنے موضوع کے اعتبار سے زیادہ تر مذہبی رسومات آداب زندگی، یگیہ (قربانی) اور ہون کے قاعدوں اور ضابطوں سے متعلق ہیں، برہمن تصانیف کے آخری دور میں تیسری قسم کے وید کی ابتدا ملتی ہے جو اپنے موضوع اور مذہبی فکر کے لحاظ سے پہلی دو قسموں سے مختلف ہے، اس کو آرنیکا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس حصہ میں قربانی کے ظاہری اعمال و رسوم سے زیادہ ان کے معانی اور مذہبی مقصد کی طرف توجہ دی گئی ہے، گویا ظاہر سے باطن کی طرف متوجہ ہونے کا رجحان آرنیکا تصنیف کی خصوصیت معلوم ہوتی ہے، اس میں سنیاسیوں کے لئے ہدایت نامے ہیں، اور مراقبہ کرنے والے کی ذات کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، ویدوں کی چوتھی قسم اُپنشد ہے، اور اس کا دوسرا نام ''ویدانت'' ہے اس لئے کہ یہ وید کا آخری حصہ ہے اور اس طرح اُپ نشد پر آکر وید کا انت (خاتمہ) ہو جاتا ہے، اُپ نشد کے معنی ہے کسی کے قریب بیٹھنا، زمانہ قدیم میں ہندوؤں کے ذہین شاگرد جب معلم کے قریب جاکر بیٹھتے تو وہ ان کے سامنے زندگی کے فلسفے بیان کرتا اور انھیں کائنات کے رازہائے سربستہ سے واقف کراتا، بعد میں انھیں کتابی شکل دے دی گئی، اپنشد کا پہلا سبق یہ ہے کہ انسان کا ذہن محدود ہے لیکن آتما (روح الارواح) کے ذریعہ وہ حقیقت کو پاسکتا ہے، البتہ اس حقیقت کو پانے کیلئے ''مراقبہ'' ضروری ہے جسے ہندو ''یوگا'' کہتے ہیں اور یہ دیوتاؤں کے لئے بھی ضروری ہوتا ہے، مراقبے کی حالت میں انسان کی روح آتما کو سمجھتی ہے، کیونکہ وہ خود اس آتما کا جز ہوتی ہے اور بالآخر انسان کی شخصیت فنا ہو جاتی ہے۔(۱)

اُپنشد کی تعلیمات:

اُپنشد کی تعلیمات کے مطابق نجات کا ذریعہ ریاضت ہے اور یہ مجاہدات کے ذریعہ تمام خواہشات نفسانی کو کچل کر اپنی آتما (روح) کو کائنات میں مدغم کیا جاسکتا ہے، اس کی بنیادی تعلیمات میں وحدت الوجود، گیان، دھیان اور تناسخ (آواگون) جیسی چیزیں شامل ہیں، اور نجات کے طریقے بھی بتائے گئے ہیں، اس میں ذات پات کے تصور کو نظر انداز کیا گیا ہے اور اخلاقی اعمال پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔(۲) (جاری)

☆☆☆

(۱) دنیا کے بڑے مذاہب ص ۱۹، ۲۰، تقابل ادیان، مذاہب عالم اور اسلام۔
(۲) (۲) مذاہب عالم اور اسلام، تقابل ادیان۔

وہابی تحریک کی سرگرمیاں

(قسط:۱۰)

صدیق احمد نفیس احمد
فاضل جامعہ سلفیہ، بنارس

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور وہابی تحریک

تحریک ۱۸۵۷ء کی حقیقت:

۱۸۵۷ء کا پرآشوب ہنگامہ ایک قومی جنگ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا گرچہ سارا شمالی ہندوستان میدان کارزار میں کود پڑا تھا لیکن سب کے جدا جدا اکھاڑے اور سردار تھے یہ اور بات ہے کہ ان تمام حالات میں برطانویوں کے خلاف ایک مشترک مقصد کام کر رہا تھا اور تمام رہنماؤں کے مابین ایک قسم کا باہمی رابطہ تھا۔ لیکن مختلف جدوجہد کو ملانے والی کوئی مرکزی تنظیم نہ تھی اور کوئی متفقہ دستور العمل نہ تھا اور یہی اس تحریک کے ناکامی کے اسباب ثابت ہوئے۔

مجاہدین سرحد کی کیفیت:

مولانا عبدالرحیم صادق پوری جو مجاہدین کے لئے روپے اور سامان فراہم کرنے والوں کے سرگرم شریک اور معاون تھے۔ لکھتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کی وجہ سے راہ پرخطر تھی شہر سے باہر نکلنا دشوار تھا۔ املاک تہلکہ میں تھے۔ جانوں کو امن نہ تھا پھر کس کو ہوش تھا اور کیونکر؟ ممکن تھا کہ سرحد کے پار فاقہ کشوں کے لئے کوئی سامان کیا جا سکتا، مسلسل فاقہ کشی نے حالت تباہ کردی درختوں کی کونپلوں اور پتیوں پر اصحاب صفہ کی سنت ادا ہونے لگی چند ماہ مسلسل غلہ پر نظر تک نہ پڑی اجابتیں خون آلود ہونے لگیں، آپ کے پاس جو نقود تھے آپ مہاجرین وانصار پر صرف کر چکے تھے اور وہ تھا ہی کیا؟ اونٹ کے منہ میں زیرہ۔ اب ادھر ساتھیوں کی بدگمانیاں اور طعنے شروع ہو گئے، زندگی تلخ تھی۔ یہ وہ وقت تھا کہ اگلی امم مضطر ہو کر متی نصر اللہ پکار اٹھی تھی۔ [۱] انقلاب ۱۸۵۷ء کے متعلق غلام رسول مہر فرماتے ہیں کہ مجاہدین کو اس موقع پر سید اکبر شاہ بادشاہ صوات سے گرانقدر مدد مل سکتی تھی اور سید موصوف کی قیادت میں پورا سرحدی علاقہ حصول آزادی کے لئے قدم بڑھا سکتا تھا لیکن حالات کی ناسازگاری نے اس کی اجازت نہ دی، ہوا یوں کہ انقلاب سے کچھ مدت پہلے سید اکبر شاہ کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی اور عین انقلاب کے دن خود اس محسن اور مخلص دوست کی روح پرواز کر گئی۔ [۲]

انقلاب عظیم میں وہابیوں کی شرکت:

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انقلاب ۱۸۵۷ء ایک پرآشوب اور غیر منظم حادثہ تھا، اس لئے مجاہدین جو ایک دینی نظام سے وابستہ تھے اس لئے اس انقلاب میں شرکت نہ کی، مسعود عالم ندوی کا بھی یہی موقف ہے۔ [۳] لیکن اسی کتاب میں

---

[۱] تذکرہ صادقہ ص:۱۳۸، بحوالہ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک۔ [۲] سرگزشت مجاہدین، ص:۲۷۶ [۳] ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص:۵۷

موصوف نے انگریز مصنف ہنٹر کے کئی اقتباس نقل کئے ہیں جوان کے قول کی تردید کرتے ہیں، ہنٹر لکھتا ہے کہ:

''میں یہاں ان زیادتیوں، توہین اور قتل کے واقعات کی تفصیل نہیں کرنا چاہتا جو ۱۸۵۸ء جنگ سرحد کا باعث ہوتیں، اس پوری مدت میں (۱۸۵۷ء-۱۸۵۲ء) مجاہدین کے سرحدی قبائل کو برطانوی حکومت کے خلاف برسر پیکار رکھنے کی کوشش کی، ایک ہی واقعہ تمام حالات کو واضح کردیگا، یعنی ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۷ء تک ہم علیحدہ علیحدہ سولہ فوجی مہمیں بھیجنے پر مجبور ہوئے جس سے باقاعدہ فوج کی تعداد ۳۵/ ہزار ہوگئی''۔ [۱] مزید وضاحت کے لئے ہنٹر کا ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

''لیکن ۱۸۵۷ء میں انہوں نے کھلم کھلا ہمارے خلاف محاذ بنانے کی کوشش کی (خاص کر یوسف زئی اور پنجتار قبائل کے ساتھ) اوران کی جرأت اس حد تک بڑھ گئی کہ اپنی مقررہ رقم (غالباً زکوۃ یا عشر) کے اصول کرنے Collecting their black mall کے لئے انہوں نے برطانوی حکام سے مدد طلب کی اور انکار پر انتہائی دیدہ دلیری سے انہوں نے لفٹنٹ ہورن Horne اسسٹنٹ کمشنر کے کیمپ پر شب خون مارا جو مشکل سے اپنی جان بچا سکا اب انتقامی کارروائی میں تاخیر جائز نہیں تھی اور سڈنی کاٹن Sidney Cotton پانچ ہزار کی ایک فوج لے کر پہاڑوں میں داخل ہوا۔'' [۲]

یہ مجاہدین سرحد کی کیفیات تھیں جن سے آشکارا ہوتا ہے کہ مجاہدین نہایت مسکنت اور بے چارگی کے باوجود ۱۸۵۷ء میں انگریزوں سے برسر پیکار رہے۔

اگر بفرض محال یہ تسلیم کرلیا جائے کہ مجاہدین سرحد نے انقلاب ۱۸۵۷ء میں شرکت نہیں کی تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اندرون ہند موجود وہابیوں نے بھی اس انقلاب میں شرکت نہیں کی، جب کہ اس تحریک نے پورے ہندوستان میں ایک منظّم نظام قائم کررکھا تھا اوراس کے اراکین ہمہ وقت ایسے موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔

خلیق احمد نظامی نے بدلائل اس امر کی تردید کی ہے کہ وہابی مجاہدین نے اس جنگ آزادی میں حصہ نہیں لیا تھا، چنانچہ وہ ''۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ'' کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''تحریک (یعنی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی تحریک) میں عملاً حصہ لینے والے بہت سے افراد سید احمد شہید کے افکار و نظریات سے متاثر معلوم ہوتے ہیں، بخت خاں کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ وہ بھی جماعت مجاہدین ہی سے متعلق تھے۔ بہادر شاہ کے مقدمے کے دوران ان کو ''وہابی العقیدہ بتایا گیا تھا، کوئی شخص بھی جس نے ہنٹر کی کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' پڑھی ہے اس سے انکار نہیں کرے گا کہ وہابی کا لفظ اس زمانے میں سید صاحب اوران کے ہم خیال علماء کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، اور بقول ہنٹر ''وہابی'' اور ''غدار'' ہم معنی الفاظ تھے۔ بخت خاں نے علماء سے جس نوع کے تعلقات رکھے اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سید صاحب کی تحریک سے متاثر تھے، جس وقت وہ تحریک میں حصہ لینے کے لئے دہلی پہونچے تھے

[۱] ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص:۳۳ [۲] دی انڈین مسلمان، ص:۳۳

سو(۱۰۰) علماء ان کے ہمراہ تھے، دوران ہنگامہ وہابی علماء کی ایک جماعت ٹونک سے ان کے پاس آئی تھی، اس کے علاوہ جے پور، بھوپال، بانسی حصار اور آگرہ سے بھی کافی علماء کھینچ کھینچ کران کے گرد جمع ہو گئے تھے...... مولانا لیاقت علی الہ آبادی بھی اسی مکتب خیال کے مجاہد معلوم ہوتے ہیں...... مولانا عنایت علی صادقپوری جن کی کوششوں سے مردان میں رجمنٹ ۵۵ نے بغاوت کی تھی سید صاحب کے خلیفہ اور جماعت مجاہدین کے سرگرم کارکن تھے۔ مولانا عبدالجلیل شہید علی گڑھی، جنھوں نے فرنگی قوت سے دلیرانہ مقابلہ کیا، سید صاحب کے خلفا میں سے تھے، ان چیدہ شخصیتوں کے علاوہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں حصہ لینے والے اور بہت سے اشخاص سید صاحب کی جماعت یا ان کے مکتب خیال سے تعلق رکھتے تھے، اور غالباً اسی بنا پر بعض لوگوں نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کو مسلمانوں کی تحریک قرار دیا تھا۔'' [۱]

ایک انگریز مصنف کی رائے کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ ''وہابی'' اس تحریک میں پیش پیش تھے۔ محض یہ بات کہ انگریزوں نے اپنا تسلط قائم ہو جانے کے بعد ''وہابیوں کو سخت سزائیں دی تھیں اور اس مکتب خیال کے لوگوں کو پسپا کیا تھا، تحریک میں ان کا حصہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے''۔ [۲]

''ہندوستان میں وہابی تحریک'' کے مصنف نے بھی ۱۸۵۷ء کی ان سرگرمیوں کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے جو وہابی مجاہدین نے سرانجام دیں۔

بہر حال مقصود اس تفصیل سے یہ ہے کہ ۱۸۳۱ء میں سیدین شہیدین کی شہادت کے بعد صادق پوری خاندان نے علم جہاد اور تحریک کی قیادت کو جس طرح سنبھالا وہ تاریخ حریت اور عزیمت واستقامت کا ایک روشن باب ہے، ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی قیادت اگرچہ وہابی مجاہدین کے ہاتھ میں نہیں تھی تاہم ان کی شرکت اس میں ضرور رہی ہے۔ [۳]

☆☆☆

[۱] ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص:۱۶-۱۵

[۲] حوالہ سابقہ، ص:۱۶-۱۵

[۳] ماخوذ از تحریک جہاد جماعت اہلحدیث اور علماء احناف، ص:۶۹ تا ۷۲

بدعت اوراس کے انتشار کے اسباب

سعیدالرحمٰن عبدالمجید
فاضل جامعہ سلفیہ بنارس

اسلام ایک کامل دین ہے جس میں کسی اضافہ کی گنجائش نہیں مگر مرورایام کے ساتھ دین کے نام پر بعض امورانجام دیئے جانے لگے جن کوسلف نے بدعت قراردیا۔

علماء نے بدعت کی مختلف تعریفیں بیان کیں ہیں ان سب کا مجموعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بدعت دین میں کسی چیز کے احداث وایجاد کو کہتے ہیں جو کتاب اللہ وسنت رسول کے مخالف ومعارض ہو۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''والبدعة ما خالفت الكتاب والسنة أو اجماع سلف الأمة من الاعتقادات والعبادات'' یعنی بدعت ہر وہ چیز جو کتاب اللہ وسنت رسول اوراجماع سلف امت کے مخالف ہواعتقادات وعبادات میں سے۔

اللہ رب العالمین نے قرآن مجید کے اندر مختلف آیات میں بدعت اوراحداث فی الدین کی مذمت بیان کیا ہے، چنانچہ اللہ رب العالمین ارشادفرماتا ہے: ﴿اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا﴾ [سورۃ المائدۃ:۳] ترجمہ: ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کومکمل کردیا اوراپنی نعمت تمہارے اوپر تمام کردی اور میں نے تمہارے لیے بطور دین اسلام ہی سے راضی ہوا۔''

اس آیت کے اندراللہ رب العالمین نے یہ خبر دیا ہے کہ شریعت رسول اکرم ﷺ کے اس دنیا سے کوچ کرنے سے قبل مکمل کردی گئی ہے، وہ کامل ہے، اس میں کسی قسم کی زیادتی ونقصان کی گنجائش نہیں ہے۔

ایک دوسری جگہ اللہ رب العالمین بدعت کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وأن هذا صراطي مستقيماً فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله، ذلكم وصاكم به لعلكم تفلحون﴾ [سورۃ الانعام:۱۵۳]

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کے اندر صراط مستقیم سے مراد وہ راستے ہیں جن کی طرف اللہ رب العالمین نے دعوت دی ہے اور وہ سنت ہے اور''سبل'' سے مراد وہ مختلف طرق اور راستے ہیں جو اس طریق (سنت) کے علاوہ ہیں، مثلا یہودیت ونصرانیت اوراس کے علاوہ دیگر تمام ملتیں اورخواہشات وبدعات وغیرہ سبل کی تفسیر میں آتے ہیں۔ (فتح القدیر۲/۱۸۳)

اسی طرح احادیث کے اندر بھی بدعت اوراحداث فی الدین کی مذمت بیان کی گئی ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:"من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد" وفی رواية "من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد"(صحیح البخاری کتاب الصلح ۱۱۲/۲،صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ ح:۱۷۱۸)

یعنی جس نے ہماری اس شریعت کے اندر کسی نئی چیز کا ایجاد کیا جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے،اور ایک روایت کے اندر آیا''جس نے کوئی عمل کیا جو ہماری شریعت کے مطابق نہ ہوتو وہ مردود ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث کے اندر بدعت اور احداث فی الدین کی مذمت بیان کی گئی ہے،جن کا ماحصل یہ ہے کہ تمام بدعات مردود و باطل ہیں،سب کی سب گمراہیاں ہیں،ان میں سے کوئی بھی ہدایت کا کام نہیں ہے،جیسا کہ نصوص کتاب وسنت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔

انتشار بدعت کے اسباب بہت زیادہ ہیں جن کا حصر مشکل ہے،اس لیے بدعت احوال وظروف کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہیں،ان میں روزمرہ جدت پیدا ہوتی رہتی ہے،کبھی وہ ظاہر ہوتی ہیں اور کبھی مخفی ہیں،اس لیے میں یہاں چند اہم اسباب کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱- **لغت عرب سے ناواقفیت**: اللہ رب العالمین نے قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل فرمایا،اللہ رب العالمین ارشاد فرماتا ہے:﴿إنا جعلناه قرآنا عربيا لعلكم تعقلون﴾ [سورۃ الزخرف:۳] ہم اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تا کہ تم سمجھ لو۔(تفسیر مولانا محمد جونا گڈھی)

لہذا شریعت محمدیہ کو سمجھنا اوراس کے اندر تفقہ پیدا کرنا اسی وقت ممکن ہے جب عربی زبان کی فہم موجود ہو،بغیر اس کے شریعت کو سمجھنا مشکل ہے،لہذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق عربی زبان سیکھے تا کہ وہ دین سے انحراف اور بدعات میں واقع ہونے سے بچا رہے،انتشار بدعت کے اسباب میں سے یہ پہلا سب ہے جس سے ناواقفیت کی وجہ سے بہت سے لوگ بدعات میں ملوث ہوجاتے ہیں اور ایسے اعمال کو انجام دیتے ہیں جن سے شریعت کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

۲- **دین وسنت اوران کے علوم سے ناواقفیت**: یہ دوسرا سبب ہے جس کی وجہ سے لوگ بدعات کے اندر واقع ہوجاتے ہیں،دین وسنت اوران کے علوم سے ناواقفیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ احادیث صحیحہ اور احادیث ضعیفہ موضوعہ کے درمیان تمیز نہیں کر پاتے ہیں،اسی لیے مبتدعہ کا طریقہ ہے کہ وہ سنت اور بدعت کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے ہیں،وہ لوگ احادیث ضعیفہ واہیہ پر اعتماد کر لیتے ہیں،جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف بدعات اور طرح طرح کی غیر شرعی چیزوں میں پڑ جاتے ہیں،اور وہ لوگ ان احادیث کو رد کردیتے ہیں اوران کا انکار کردیتے ہیں جو ان کے اغراض ومقاصد اوران کے مذہب کے مخالف ہوتی ہیں،اور اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث:"من كذب عليّ متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" (صحیح البخاری کتاب العلم ۲۰۲/۱) کو نظرانداز کردیتے ہیں۔

۳- خواہشات کی اتباع: یہ انتشار بدعت کا تیسرا سبب ہے، چنانچہ اللہ رب العالمین خواہشات کے متبعین اور حق سے اعراض کرنے والوں کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ان یتبعون الا الظن وما تهوى الأنفس ولقد جاء هم من ربهم الهدى.﴾ (سورۃ النجم:۲۳) یعنی وہ لوگ صرف خواہشات کی اتباع کرتے ہین اور جس کا ان کے نفوس خواہش کرتے ہیں ان کی اتباع کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے ہدایت کی چیز آئی، اس سلسلے میں امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اہل بدعت کا نام اہل بدعت اس لئے رکھا گیا کیونکہ ان لوگوں نے خواہشات کی اتباع کیا اور دلائل سے اعراض کیا اور خواہشات کو مقدم کیا اور رائے پر اعتماد کیا اور شریعت کو خواہشات کے تابع کرلیا۔ (الاعتصام للشاطبی:۲/۱۷۶)

۴- متشابہ کی اتباع کرنا: متشابہات کو لینا اور محکمات کو ترک کردینا یہ بھی انتشار بدعت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فأما الذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تأويله﴾ (سورہ آل عمران:۷)

پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنے کی طلب اور ان کے مراد کی جستجو کے لیے۔ (تفسیر مولانا محمد جوناگڈھی)

۵- دین کے اندر بغیر علم کے کوئی بات کہنا اور اس کے قائل سے اس کو لینا: یہ بھی انتشار بدعت کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے۔ جب لوگ جاہلوں کو اپنا امام اور پیشوا بنا لیتے ہیں اور وہ جاہل حضرات دین میں بغیر علم کے باتیں کہتے ہیں جس کے بارے میں انھیں علم نہیں ہوتا تو لوگ ان کو قبول کر لیتے ہیں حالانکہ وہ صحیح نہیں ہوتے ہیں جیسا کہ ایک حدیث کے اندر اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی وضاحت اس انداز میں فرمایا ہے: "إن الله لا يقبض العلم ينتزعه انتزاعا من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى اذا لم يبق عالما اتخذ الناس رؤسا جهالا فأفتوا بغير علم فضلوا وأضلوا"۔ (صحیح بخاری کتاب العلم ۱/۱۹۴ ح:۱۰۰)

یعنی اللہ رب العالمین علم کو بیک وقت بندوں سے نہیں چھینتا ہے لیکن علم کو اٹھاتا ہے علماء کو اٹھا کر کے، یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہیں بچتا تو لوگ جاہلوں کو اپنا رئیس بنا لیتے ہیں، وہ لوگ بغیر علم کے فتوی دیتے ہیں، پس خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔

اسی طرح اللہ رب العالمین قرآن مجید کے اندر بغیر علم کے باتیں کرنے والوں کو ڈراتے ہوئے اور اس کی حرمت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿قل انما حرم ربي الفواحش ما ظهر منها وما بطن والاثم والبغى بغير الحق وان تشركوا بالله ما لم ينزل به سلطانا وأن تقولوا على الله ما لا تعلمون.﴾ (سورۃ الاعراف:۳۳)

آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگادو جس کو تم جانتے نہیں۔(تفسیر محمد جونا گڈھی)

۶-**شخصیات کے اندر غلو کرنا:** اللہ کے رسول ﷺ کے علاوہ کسی اور شخص کو مثلا ائمہ دین وغیرہم میں سے کسی کو معصوم عن الخطاء سمجھنا اور تعصبا باطل آراء واقوال کو قبول کرنا اوران ائمہ میں سے کسی امام کی تقلید کرنا یہی شخصیت کے اندر غلو کرنا ہے، یہ بھی انتشار بدعت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، جس سے امت مسلمہ کی ایک بڑی جماعت متاثر ہے اور اپنے آپ کو مقلد قرار دیتی ہے، یہ شریعت سے ممنوع ہے، چنانچہ اللہ رب العالمین ارشاد فرماتا ہے:﴿قل يا أهل الكتاب لا تغلوا في دينكم غير الحق ولا تتبعوا أهواء قوم قد ضلوا من قبل وأضلوا كثيرا وضلوا عن سواء السبيل﴾۔ (سورۃ المائدۃ:۷۷)

کہہ دیجئے اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو اور زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے بہک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔(تفسیر محمد جونا گڈھی)

ایک حدیث کے اندر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:"لا تطرونی كما أطرت النصارى عيسىٰ بن مريم ولكن قولوا عبد الله ورسوله"(صحیح البخاری کتاب الانبیاء، ح:۳۴۴۵)

یعنی تم مجھے حد سے زیادہ نہ بڑھاؤ جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو حد سے بڑھایا بلکہ مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

یہ حدیث صاف طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ غلو کسی بھی شخصیت کے بارے میں محبوب ومحمود نہیں ہے، بلکہ مذموم ہے، جب نبی کی شخصیت میں غلو کرنا جائز نہیں ہے تو پھر اس نبی کی امت میں سے کسی فرد کی شخصیت میں غلو کرنا، اسی کو اپنا امام وپیشوا تسلیم کرنا، اس کی تقلید کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ بدعت کے جتنے بھی اسباب وذرائع ہوسکتے ہیں سب کا حل تلاش کیا جائے اور اس کے سد باب کے لیے اسلام اور اسلامی تعلیمات کو عام کیا جائے، کتاب اللہ وسنت رسول کے مطابق تبلیغ کی جائے، اور لوگوں کو بدعات اور اس کے اسباب سے محفوظ رکھنے کے لیے حتی الامکان سعی بلیغ، وجہد متواصل کو عمل میں لایا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو بدعات میں واقع ہونے سے بچائے اور ان کے اسباب کو سمجھنے کی توفیق دے، آمین۔

☆☆☆

اخبار جامعہ

جامعہ سلفیہ کی حالیہ تعمیری خدمات

جامعہ سلفیہ بنارس علوم شرعیہ کی تدریس کی عظیم خدمات انجام دے رہا ہے اور اس کے فارغین ملک و بیرون ملک میں اس کا نام اپنی عمدہ خدمات سے روشن کر رہے ہیں، پچھلے کئی برسوں سے مسلسل یہ ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ جامعہ کو تعمیری طور پر مزید وسعت اور ترقی دی جائے تا کہ طلبہ کو پیش آنے والی بعض دقتوں کا ازالہ ہو سکے۔ اس سلسلہ میں جامعہ سلفیہ میں حالیہ تعمیری ترقی کا ایک جائزہ پیش خدمت ہے۔

۱- مرحلہ متوسطہ وثانویہ کے لیے نئی عمارت کی تعمیر:

بھیلو پورہ میں واقع وجیا نگرم روڈ پر جامعہ سلفیہ کے شعبۂ متوسطہ وثانویہ کے طلبہ کے لیے ایک بڑی قطعہ آراضی پر تعمیر کے کام کا آغاز ہو چکا ہے، اس زمین کا رقبہ (۵۲۰۰) مربع فٹ پر مشتمل ہے اور جو شہر کے بہترین علاقہ میں واقع ہے اور خود اس زمین کا جائے وقوع بھی بہت بہتر ہے، یہ زمین تین طرف سے کھلی ہے اور تینوں طرف روڈ ہے، شہر کے وسط میں دو بڑے مسلم محلے مدن پورہ اور ریوڑی تالاب سے بہت قریب واقع ہے، جامعہ سلفیہ سے اس زمین کا فاصلہ آدھا کیلو میٹر کے آس پاس ہے۔

۲- سنٹرل لائبریری کی توسیع:

جامعہ سلفیہ کا مکتبہ عامہ (سنٹرل لائبریری) میں کتابوں کی تعداد میں گرانقدر اضافہ اور طلبۂ جامعہ نیز شہر کے بعض دوسرے تعلیمی اداروں سے استفادہ کی غرض سے آنے والوں کی تعداد میں اضافہ کے پیش نظر اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اس میں فوری طور پر اضافہ کیا جائے، چنانچہ یہ لائبریری جو دو منزلہ تھی اور چھت کی اونچائی زیادہ تھی، اس لیے تقریباً آدھی لائبریری کے درمیان سے ایک منزل کا اضافہ کر تین منزلہ کر دیا گیا۔

الحمدللہ یہ کام پورا ہو چکا ہے، اب کتابوں کی ترتیب وتنظیم کا کام چل رہا ہے، امید ہے کہ جلد ہی یہ کام بھی پایۂ تکمیل کو پہنچے گا اور یہ تعمیر لائبریری سے استفادہ کرنے والوں کے لیے بہترین سہولت ثابت ہوگی۔

۳- جامعہ سلفیہ میں امتحان ہال:

جامعہ سلفیہ کی عالیشان مسجد کا بیسمنٹ اب تک اسٹور روم کے طور پر مستعمل تھا، چونکہ جامعہ کے ملحق مدارس کے طلبہ کا بھی اب ششماہی وسالانہ امتحان جامعہ میں لیا جانے لگا، اس لیے یہ ضروری تھا کہ امتحان کے لیے کسی بڑی اور مناسب جگہ کا انتظام کیا جائے، الحمدللہ جامعہ سلفیہ کی مسجد کا بیسمنٹ جس کا رقبہ (۱۲۵×۳۵) اسکوائر فٹ ہے کو اس کے لیے منتخب کیا گیا، تمام تکنیکی پہلو کو ملحوظ رکھ کر اس کی گہرائی میں اضافہ کیا گیا تا کہ چھت کی اونچائی بڑھ جائے، یہ امتحان ہال تین طرف سے کھلا ہے اور پیمائش کے اعتبار سے یہ جامعہ کا سب سے بڑا امتحان ہال ہے، حالیہ تعلیمی سال کا ششماہی امتحان الحمدللہ اس ہال میں ہو رہا ہے۔

جامعہ سلفیہ کا ششماہی امتحان

الحمدللہ جامعہ سلفیہ بنارس میں سال ۲۰۱۰-۲۰۱۱ء کا ششماہی امتحان ۱۸/دسمبر ۲۰۱۰ء مطابق ۱۱/محرم ۱۴۳۲ھ سے شروع ہو کر ۳۰/دسمبر ۲۰۱۰ء مطابق ۲۳/محرم ۱۴۳۲ھ بروز جمعرات اختتام پذیر ہوا، امتحان کی تیاری کے لیے طلبہ کو ۱۴/دسمبر تا ۱۷/دسمبر ۲۰۱۰ء مطابق ۷/محرم تا ۱۰/محرم ۱۴۳۲ھ تعطیل دی گئی۔

اس امتحان میں عربی درجات وشعبۂ تجوید کے طلبہ کی تعداد (۷۶۰) رہی جس میں جامعہ سلفیہ کی متعدد شاخوں سے دوسو (۲۰۰) طلبہ بھی شریک امتحان رہے۔ ادارہ تمام طلبہ کی کامیابی کے لیے خلوص دل سے دعا گو ہے۔ ☆☆

عظیم سلفی عالم شیخ محمد بن جمیل زینو کا سانحۂ ارتحال

منہج سلف کے معروف داعی، مبلغ دین اور عظیم المرتبت عالم شیخ محمد بن جمیل زینو، حلبی ثم المکی کا طویل علالت کے بعد ۱۸/اکتوبر ۲۰۱۰ء بروز جمعہ انتقال ہوگیا، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون، جنازہ کی نماز حرم شریف مکہ میں ادا کی گئی، جنازہ میں علماء، دعاۃ اور طلبائے دین کی ایک بڑی جماعت نے شرکت کی، اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند کرے اور جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین۔

شیخ رحمہ اللہ اعلیٰ پایہ کے مبلغ، مصنف اور سلفی عالم تھے، آپ حلب (شام) میں ۱۹۲۵ء مطابق ۱۳۴۴ھ میں پیدا ہوئے، ثانویہ کی تعلیم حلب میں حاصل کی، ازہر یونیورسٹی جانے کا موقع ملا لیکن کمزور صحت کی وجہ سے نہ جا سکے، حلب ہی میں درس وتدریس کا پیشہ اپنایا اور انتیس سال تک وہاں مدرس رہے، ۱۳۹۹ء میں عمرہ کی غرض سے مکہ تشریف لائے، مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی، جب انہیں معلوم ہوا کہ آپ سلفی عالم ہیں تو انہوں نے حج کے دورانیہ کے لیے آپ کو حرم مکی میں خطیب مقرر کردیا، حج کے بعد دعوت وتبلیغ کے لیے اردن بھیج دیا، وہاں آپ رمثا کی مسجد جامع صلاح الدین کے امام وخطیب بن گئے، فرصت کے اوقات میں مدارس اور مکاتب کے بچوں کو عقیدۂ توحید کا درس دیتے رہے، ۱۴۰۰ھ میں دوبارہ مکہ تشریف لائے اور شیخ ابن باز ؒ کی کوششوں سے دارالحدیث الخیریہ میں مدرس مقرر ہوئے اور اپنی وفات تک وہیں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔

شیخ محمد بن جمیل زینو رحمہ اللہ نے درس وتدریس کے ساتھ مختلف موضوعات خصوصاً عقیدۂ توحید پر چھوٹے بڑے تقریباً بیس رسالے لکھے، ان میں سے بعض کے تراجم انگریزی، فرانسیسی، بنگالی، انڈونیشی، ترکی اور اردو زبان میں کئے گئے، ان کے تصنیف کردہ بیشتر رسالے لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو کر مفت تقسیم کیے گئے، ان کی اہم تصنیفات یہ ہیں: تکریم المرأة فی الاسلام، عقيدة كل مسلم فى سؤال وجواب، توجيهات إسلامية لإصلاح الفرد والمجتمع، منهاج الفرقة الناجية والطائفة المنصورة، كيف اهتديت إلى التوحيد والصراط المستقيم، خذ عقيدتك من الكتاب والسنة، كيف نربي أولادنا وما هو واجب الآباء والأبناء؟ ان کی تصنیفات عوامی ہیں، بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کے لیے یکساں مفید ہیں، وہ دعوت وارشاد کے میدان میں کام کرنے والے علما وطلبا کے لیے رہنما اور رہبر تھے، ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا وہ شاید ہی پُر ہو سکے۔ اللہ رب العالمین انہیں جوار رحمت میں جگہ دے، آمین۔

(محمد ابوالقاسم فاروقی)

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی/سنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ

فلسطین امن مذاکرات میں یہودی بستیاں رکاوٹ:

ہندوستان کا دورہ مکمل کرنے کے بعد سیدھے انڈونیشیا کا رخ کرنے والے امریکی صدر براک اوبامہ نے مشرقی یروشلم میں 1300 یہودی بستیوں کی تعمیر کے اسرائیلی فیصلہ پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ امن مذاکرات میں پیش قدمی کے لیے اسرائیل کا یہودی بستیوں کی تعمیر کا فیصلہ مددگار نہیں ہے، جس سے خطہ میں امن کی کوششیں نظر انداز ہوں گی اور مذاکرات تعطل کا شکار ہوں گے۔ (سنڈے انڈین ۱۵-۲۸/نومبر ۲۰۱۰ء ص:۱۲)

امریکہ میں پہلی مسلم یونیورسٹی کا قیام:

عالم اسلام کے لیے یہ نہایت خوش آئند بات ہے کہ امریکہ میں اولین مسلم یونیورسٹی کا قیام عمل میں آگیا ہے، جسے کیلیفورنیا یونیورسٹی کے احاطے میں قائم کیا گیا، جہاں اسلام کے خلاف نفرت اور بے اعتمادی کو ختم کرنے کے لیے اسلام کی اعتدال پسند تعلیمات کو فروغ دیا جائے گا۔

زیتون کالج کے بانی حمزہ یوسف مغرب میں سرکردہ اسلامی اسکالر ہیں، اس ادارے کے تعلیمی امور کے سربراہ حاتم بازیان نے کہا کہ جہالت اور بے عملی کی بنیادی علاج میں سے ایک تعلیم ہے۔ (راشٹریہ سہارا لکھنؤ ۲۴/نومبر ۲۰۱۰ء ص:۱۲)

شاہ عبداللہ کا کامیاب آپریشن:

ریاض: العربیہ ٹی وی چینل کے مطابق سعودی عرب کے شاہ عبداللہ کو جوریڑھ کی ہڈی کے گرد خون جمع ہوجانے کے باعث بغرض علاج امریکہ گئے تھے۔ وہاں کے شہر نیویارک میں ان کا آپریشن بڑی کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوگیا ہے۔ (راشٹریہ سہارا لکھنؤ ۲۷/نومبر ص:۱۲)

مکہ مکرمہ میں اوبامہ کی دادی کی دعا:

اس سال حج کی سعادت حاصل کرنے والی امریکی صدر براک اوبامہ کی دادی نے مکہ مکرمہ میں اوبامہ کے مسلمان ہونے کی دعا مانگی ہے۔

آبائی طور سے کینیا کی شہری ساحرہ عمر نے حج بیت اللہ کے بعد عربی اخبار ''الوطن'' سے انٹرویو کے دوران یہ بات کہی، انہوں نے اوبامہ کے چچا سعید حسین اور اپنے چار دیگر پوتوں کے ساتھ فریضۂ حج کی ادائیگی کی، نیز ساحرہ عمر اوران کی فیملی سعودی حکومت کی مہمان تھیں۔ (ہندوستان ۲۷/نومبر ۲۰۱۰ء ص:۶)

لفظ عید سے متعلق مفتی اعظم مصر کا بیان:

مصر کے مفتی اعظم ڈاکٹر علی جمعہ نے ایک اہم مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے واضح الفاظ میں ایک فتویٰ جاری کیا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ لفظ عید اسلامی اصطلاح میں خصوصی معنی اور مفہوم کا حامل ہے۔ لفظ عید کا اطلاق رسول اکرم ﷺ کی صحیح حدیث کے مطابق صرف دو عید عید الفطر اور عید الاضحیٰ پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اسلام میں کسی تیسری عید کا کوئی تصور نہیں ہونا چاہئے۔ (صراط مستقیم، برمنگھم ستمبر ص:۳۴)

☆☆☆

باب الفتاوی

کیا فرماتے ہیں علماءدین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ:
داڑھی اور سر کے بالوں میں مہندی لگانا کیسا ہے؟ کیا کالی (سیاہ) مہندی استعمال کرنا شرعی اعتبار سے ممنوع وحرام ہے؟
قرآن وسنت کی رو سے مدلل محقق جواب دے کر مشکور ہوں۔ والسلام

الجواب بعون اللہ الوھاب ومنہ الصدق والصواب:

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ شرعی اعتبار سے سرخ، سیاہی مائل اور زرد رنگ کی مہندی داڑھی اور سر کے بالوں میں استعمال کرنا جائز ہی نہیں بلکہ مسنون ہے، رسول اکرم ﷺ اپنے بالوں میں خضاب استعمال کرتے تھے، اور اس کی طرف امت کو ترغیب بھی دیا کرتے تھے، اسی طرح صحابہ کرام خصوصا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اپنے سفید بالوں کو خضاب سے رنگا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے:

"وأما الصفرة فاني رأيت رسول الله ﷺ يصبغ بها فاني أحب أن أصبغ بها"۔ (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب غسل الرجلین فی النعلین: ۱۶۶، مسلم: ۱۱۸۷، ابن ماجہ: ۳۶۲۶) یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ زرد رنگ کا خضاب لگاتے تھے، میں بھی یہی پسند کرتا ہوں۔

ایک دوسری روایت ملاحظہ فرمائیں:

" عن عثمان بن عبد الله بن موهب قال دخلت على أم سلمة فأخرجت الينا شعرا من شعر النبي ﷺ مخضوبا بالحناء والكتم" (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب ما یذکر فی الشیب: ۵۸۹۷) مصنف ابن ابی شیبہ ۸/۴۳۴) یعنی عثمان بن عبداللہ نے کہا کہ: میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا تو انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے بالوں میں سے ایک بال نکالا جس میں مہندی اور کتم کا خضاب لگا ہوا تھا۔

کتم ایک قسم کی بوٹی ہے جو نرم زمین میں اگتی ہے، اس کے پتے زیتون کی طرح ہوتے ہیں، چرخی وغیرہ پر چڑھ کر بلند ہوتی ہے، اس کا پھل مرچ کے دانے کی طرح ہوتا ہے، اس کے اندر گٹھلی ہوتی ہے، جب اسے کوٹا جائے تو رنگ سیاہ ہو جاتا ہے، اور اگر پانی سے پکایا جائے تو اس سے سیاہی نکلتی ہے۔ (زاد المعاد: ۴/۳۶۶)

اور ایک حدیث جو کہ حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ ؓ فرماتے ہیں کہ: "أتيت النبي ﷺ ...... وكان قد لطخ لحيته بالحناء" (سنن النسائی: ۸/۱۴۰، ابوداود، کتاب الترجل، باب فی الخضاب: ۴۲۰۸) حضرت ابو رمثہ ؓ فرماتے ہیں کہ: میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ اپنی داڑھی مبارک میں مہندی لگائے ہوئے تھے۔

اپنے سفید داڑھیوں اور بالوں کو مہندی وخضاب لگا کر یہود ونصاری کی مخالفت کرنے کا بھی حکم احادیث رسول میں موجود ہے، حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے:

"ان رسول الله ﷺ قال اعفوا اللحي وخذوا الشوارب غيروا شيبكم ولا تشبهوا باليهود والنصارى" (مسند احمد ۲/۳۵۶) یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’داڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں ترشواؤ اور اپنے (بالوں) کی سفیدی کو بدلو اور یہود ونصاری کی مشابہت نہ کرو۔

یہی حدیث صحیح بخاری ومسلم میں ان الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے: "ان اليهود والنصارى لا يصبغون فخالفوهم"

(بخاری، کتاب احادیث الانبیاء: ۳۴۶۲، مسلم: ۲۱۰۳)

یعنی بلاشبہ یہود و نصاری (اپنے سفید بالوں کو) نہیں رنگتے، تم ان کی مخالفت کرو۔

جن رنگوں سے اپنے سفید بالوں و داڑھیوں کو رنگنا جائز ہے، اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"خرج رسول الله ﷺ على شيخة من الأنصار بيض لحاهم فقال يا معشر الأنصار حمروا وصفروا وخالفوا أهل الكتاب" (مسند احمد ۲۶۴/۵) رسول اللہ ﷺ، انصار کے بوڑھے افراد جن کی کی داڑھیاں سفید ہو چکی تھیں، ان کے پاس سے گزرے تو فرمایا: اے انصار کی جماعت (داڑھیوں کو) سرخ اور زرد کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

اس حدیث کو حافظ ابن حجر و علامہ عینی رحمہما اللہ وغیرہ نے حسن قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ۳۵۴/۱۰، عمدۃ القاری ۵۰/۲۲)

ایک دوسری حدیث: عن ابن عباس رضی الله عنهما قال مر علی النبی ﷺ رجل قد خضب بالحناء فقال ما أحسن هذا قال فمر أخر قد خضب بالحناء والكتم فقال هذا أحسن من هذا قال فمر آخر خضب بالصفرة، فقال: هذا أحسن من هذا كله" (ابوداود، کتاب الترجل، باب فی الخضاب: ۴۲۱۱، التحقیق علی المشکاۃ ۱۲۶۶/۲ میں علامہ البانی ؒ نے اس حدیث کی سند کو جید قرار دیا ہے۔)

ترجمہ: حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے ایک آدمی گزرا جس نے مہندی کا خضاب لگایا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کس قدر اچھا ہے؟ پھر ایک دوسرا آدمی کا گزر ہوا جس نے مہندی اور کتم ملا کر لگایا ہوا تھا، تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اس سے بھی اچھا ہے، پھر ایک اور آدمی کا گزر ہوا زرد خضاب لگایا ہوا، تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ان سب میں اچھا ہے۔

مذکورہ بالا روایتوں میں سے بعض میں رنگ کا ذکر ہے اور بعض میں ذکر نہیں ہے، تو شرعی اصول کی رو سے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔

معاشرہ میں سیاہ خضاب لگانے کا بہت رواج ہے لیکن یہ یاد رہے کہ سیاہ رنگ سے داڑھی اور بالوں کو رنگنا شرعی اعتبار سے منع ہے، اس سلسلہ میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

حضرت جابر ؓ بیان کرتے ہیں: "أتی بأبي قحافة يوم فتح مكة ورأسه ولحيته كالثغامة بياضا فقال رسول الله ﷺ غيروا هذا بشيء واجتنبوا السواد" (مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب استحباب خضاء الشیب بصفرۃ أوحمرۃ وتحریمہ بالسواد: ۲۱۰۲) یعنی فتح مکہ والے دن ابوقحافہ (حضرت ابوبکر ؓ کے والد) کو لایا گیا، ان کا سر اور داڑھی ثغامہ (ایک قسم کے سفید پھولوں والا درخت) کی طرح سفید تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اس سفیدی کو بدلو اور سیاہی سے اجتناب کرو۔

مسند احمد کی روایت میں کچھ یوں الفاظ استعمال کیا: "اذهبوا به الی بعض نسائه فليغيره بشيء وجنبوه بالسواد" (مسند احمد ۳۱۶/۳) یعنی انہیں ان کے گھر کی بعض عورتوں کے پاس لے جاؤ، وہ ان کی سفیدی کو بدلیں اور سیاہی (کالے رنگ سے) بچو۔

ایک دوسری حدیث حضرت انس ؓ سے مروی ہے: "كنا يوما عند النبي ﷺ فدخلت عليه اليهود فرآهم بيض اللحى فقال ما لكم لا تغيرون فقيل انهم يكرهون فقال النبی ﷺ ولكنكم غيروا واياي والسواد" (مجمع الزوائد ۱۶۰/۵، طبرانی ۱۶۳/۵) یعنی ہم ایک نبی کریم ﷺ کے پاس تھے، آپ کے پاس یہودی آئے، آپ ﷺ نے ان کی سفید داڑھیاں دیکھ کر فرمایا: تمہیں کیا ہوا ہے تم انہیں رنگتے کیوں نہیں؟ کہا گیا کہ یہ ناپسند کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے مسلمانو! لیکن تم رنگ بدلو اور سیاہی سے بچو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بالوں کی سفیدی کو بدلنے (رنگنے) سے کراہت محسوس کرنا یہودیوں کا کام ہے، مسلمان سیاہ خضاب سے اجتناب کرتا ہے اور دیگر خضاب پسند کرتے ہوئے استعمال کرتا ہے۔

ایک اور روایت میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

"یکون قوم یخضبون فی آخر الزمان بالسواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحة الجنة" (ابوداود، کتاب الترجل، باب فی الخضاب: ۴۲۱۲) یعنی آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو کبوتر کے پوٹوں کی طرح سیاہ خضاب لگائیں گے، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائیں گے۔

یہ حدیث بھی سیاہ خضاب کی ممانعت پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ اس میں شدید وعید آئی ہے۔

یہ اور اس معنی ومفہوم کی دیگر احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ خضاب کی شریعت میں بڑی مذمت آئی ہے اور اس پر سخت قسم کی وعید آئی ہے، اس لیے یہ حرام ہے اور اس کا استعمال کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

اب چند محدثین ومشاہیر علماء کرام کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

شارح مسلم امام نووی ؒ اپنی کتاب ''المجموع'' میں فرماتے ہیں: "اتفقوا علی ذم خضاب الرأس واللحیة بالسواد" (المجمع ۱/۳۲۳) یعنی سر اور داڑھی کے بالوں کو سیاہ خضاب لگانے کی ممانعت ومذمت پر محدثین کا اتفاق ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں: "والصحیح بل الصواب انه حرام" (المجموع ۱/۳۲۳) یعنی صحیح اور درست بات یہ ہے کہ سیاہ خضاب حرام ہے۔

امام نووی ؒ شرح مسلم ۲/۱۹۹ میں فرماتے ہیں: "ویحرم خضابه بالسواد علی الأصح وقیل یکره کراهة تنزیهة والمختار التحریم لقوله علیه الصلاة والسلام: واجتنبوا السواد" سب سے صحیح قول کے مطابق سیاہ خضاب حرام ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیاہ خضاب مکروہ تنزیہی ہے، مختار قول حرمت کا ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سیاہ خضاب سے بچو۔

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری ؒ اپنی شہرۂ آفاق ومایہ ناز تصنیف ''تحفۃ الاحوذی (۳/۵۷) میں فرماتے ہیں: "فقوله ﷺ واجتنبوا السواد دلیل واضح علی النهی عن الخضاب بالسواد" یعنی آپ ﷺ کا فرمان ''سیاہی سے بچو'' سیاہ خضاب کی ممانعت پر واضح دلیل ہے۔

حافظ ابن حجر ؒ اپنی مایہ ناز تصنیف ''فتح الباری شرح صحیح البخاری'' (۶/۴۹۹) میں فرماتے ہیں: "ثم ان الماذون فیه مقید بغیر السواد لما أخرجه مسلم من حدیث جابر أنه ﷺ قال: "غیروه وجنبوه السواد" یعنی سیاہ خضاب کے علاوہ خضاب لگانے کی اجازت ہے، اس لیے کہ امام مسلم نے حضرت جابر ؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی سفیدی کو بدلو اور اسے سیاہی سے بچاؤ۔

علامہ ابن حجر ہیثمی ؒ نے بھی اسے گناہ کبیرہ شمار کیا ہے۔ (الزواجر ۱/۲۶۱)

مذکورہ بالا تمام احادیث صحیحہ واقوال محدثین سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ سیاہ خضاب سے داڑھی اور بالوں کو رنگنا حرام ہے اور اس کے علاوہ دیگر رنگ کے خضاب لگانے کی ترغیب ہے، جن کا ذکر گذر چکا۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو احکام اسلام پر صحیح طور پر کاربند کرے، آمین۔

هذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب
ابوعفان نورالہدیٰ عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس